ناطق مکرانی

مرتب: شیر عبدالقادر شاہوانی

ناطق مکرانی

سیمینار رپورٹ

ترتیب وتدوین:

اثیر عبدالقادر شاہوانی

پبلشر

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

Web Site

www.balochiacademy.com

© بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

کتاب کا نام	:	ناطق مکرانی (سیمینار رپورٹ)
ترتیب وتدوین	:	اشیر عبدالقادر شاہوانی
پرنٹر	:	ھائی ٹیک پرنٹرز
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	بلوچی پبلیکیشنز کوئٹہ
ٹائیٹل	:	شوگر اللہ بلوچ کراچی
پبلشر	:	بلوچی اکیڈمی
سال	:	2008
تعداد	:	500
قیمت	:	200 کلدار

Web Site
www.balochiacademy.com

ترتیب

پیش لفظ ..... اثیر عبدالقادر شاہوانی 01

اظہار تشکر ..... جان محمد دشتی 07

کلمات ..... ڈاکٹر منیر احمد 10

گل زمین مکران کا گلِ ناطق ..... حکیم بلوچ 13

ناطق مکرانی گل محمد خان ..... ڈاکٹر انعام الحق کوثر 33

غالب و ناطق ..... ڈاکٹر انعام الحق کوثر 43

ناطق مکرانی از دیدگاہ غالب وزیب مگسی ..... دکتر سعید بزرگ گلانی 58

گل محمد ناطق مکرانی

واخلاص وارادتش بہ حضرت علی مرتضیٰ ..... ڈاکٹر سید رضا مصطفوی 70

ناطق مکرانی ..... پروفیسر شرافت عباس 78

ناطق مکرانی ..... عبدالغفار ندیم 116

ملا ولی محمد پنجگوری 124

شے محمد درفشاں 130

سید نور شاہ 141

مولوی محمد صدیق پنجگوری 145

ملا اسماعیل پُل آبادی 150

قاضی عبدالصمد سربازی 156

میر محمود خان گچکی 161

میر عبداللہ جنگی 165

میر علی شیر جنگی 167

شے سلمان 169

شہ گل محمد 171

ملا ابا بکر 174

شہ نصیر الدین 175

شہ امانی 176

جلال کمالان 180

ملا عزت 183

عزیر لاری 185

ملا مدی خان 186

ملا ابراہیم کاشانی 187

نور محمد نوری 192

مولانا عبداللہ پیشنی 200

عظیم بلوچستان کے فارسی سخنور..... غوث بخش صابر..... 205

گل محمد ناطق مکرانی کا زادوبوم..... عبدالکریم بریالئے 238

گل محمد ناطق مکرانی غالب کا ایک ہمعصر شاعر..... غلام محمد نورالدین 253

ناطق مکرانی۔ بلوچستان کا ماہر ناز شاعر..... قاضی عبدالصمد سربازی..... 260

گل محمد ناطق مکرانی کا مجموعہ کلام "جوہر معظم"..... ڈاکٹر سلطان الطاف علی 279

پیش لفظ

میری وفات کے بعد میری تربت کی تلاش زمین پر نہ کر
میرا مزار اہل عرفان کے دلوں میں ہے

علم وادب کے حوالے سے مکران کی سرزمین نے کتنی ہی بے بہا علمی شخصیتیں پیدا کی ہیں۔ جن کی علمی وادبی خدمات پر قوم ووطن بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ ان قابلِ رشک روزگار شخصیات میں ایک محترم نام مرزا گل محمد ناطق کا بھی ہے جو اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں خطۂ مکران بلوچستان پاکستان کے ایک مشہور قصبہ تسپ کے ایک ذی علم ملازئی خاندان میں آنکھ کھولی۔

گل محمد جنہوں نے بعد میں (ناطق) کا لقب اختیار کیا۔ ابتدائی تعلیم مروجہ علوم میں مقامی طور پر حاصل کیں۔ چونکہ انکی طبعیت نے آفاقی فکر کا وافر حصہ پایا تھا نیز شاہوں کے دربار اور ادب دوست امراء کی فیاضیوں

اور بروقت قدر دانیوں نے دلوں میں گھر کرلیا تھا۔ اپنے شاعرانہ اوصاف کی بدولت ایک مدت تک سندھ کے (امیر صوبدار تالپور) کے دربار سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے عازم ہندوستان ہوئے۔ یہ وہ موقع تھا جب اُنہیں معاصر شعراء وادبا سے گھل مل جانے اور غالب دہلوی جیسے سخنور سے متعارف ہونے دیا۔ ناطق کی دل بستگی اور مہارت زیادہ تر صنف غزل میں رہی۔ اس صنف میں انھوں نے فارسی میں گوہر آبدار اور لطیف وخوشگوار کلام موزوں کیا اور حقیقی انسانی جذبات کی ترجمانی کی۔ ناطق کو اس میدان میں غزل گو شعراء میں اساتذہ کا مقام اور خوش فکر وخوش خرام شاعر کی شہرت عطا ہوئی جیسے کہ وہ خود کہتے ہیں۔

آں بلبلم کہ گرچمن سرکند فغان　　از ہر درخت آتش موسیٰ شود عیاں
آں گلشنم کہ بادز فیض شمیم او　　بخشد بمردہ چوں نفس عیسوی رواں
آں شبنم کہ موئی کشاں آفتاب را　　آرد فرود جذبہ اُش از چہارم آسماں
آں قطرہ ام کہ بالد اگر بروجود خویش　　ہر قطرہ اش نشاں دہد از بحر بیکراں
آں شاعرم کہ شہرت وشعرم جہاں گرفت　　چوں صیت کام بخشی دستور شہ نشاں

ترجمہ: میں وہ بلبل ہوں کہ اگر چمن میں فریاد کروں۔ تو ہر درخت سے موسیٰ کے عہد جیسی آگ بھڑک اُٹھے۔ میں وہ گلشن ہوں جس کے نسیم کے فیض

سے دمِ عیسیٰ کی طرح مردوں کو زندگی عطا ہو۔ میں وہ شبنم ہوں کہ آفتاب کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ کر چوتھے آسماں سے نیچے اتار لاؤں۔ میں وہ قطرہ ہوں کہ اگر اپنے وجود کو کام میں لاؤں تو ہر قطرہ بحر بیکراں کی نشاندہی کرے۔ میں وہ شاعر ہوں کہ جس کے شعر کی شہرت نے بادشاہوں کے فیاضوں کی صورت ایک جہاں کی تسخیر کی ہو۔

تتبع و تحقیق اور گہرے مطالعہ کے باعث مختلف شعرائے کرام کا کلام ناطق مکرانی کے پیش نظر رہا ہے انہوں نے کوششیں کی ہیں کہ مختلف شعراء کے خیالات، الفاظ وعبارات اور افکار کو اپنے کلام میں سموئیں: مثلاً عبدالرحمٰن جامی:

یارب این طاق است یا محراب یا قوس و قزح
یا ہلال عید یا ابروئے ماہِ ماست این

ناطق:

برسر بام بیا گوشۂ ابرو بنما
روزہ دارانِ جہاں منتظر ماہِ تواند

ان کے مختلف اشعار وغزلیات بلندی فکر سے مالا مال اور ظرافتوں کنائیوں، شعری و فنی محاسن، لطیف و نازک احساسات انسانی عارفانہ

خیالات سے بھرپور ہیں جیسا کہ کہا ہے۔

تاگل نکند غنچہ بجائے نرسد بو
دل تانشکستہ است ازاو آہِ سانیست
حکم غم یار است ہ ما زندہ بمانیم
درزود نمردن گنہ از جانب مانیست
خواہی کہ تہہ خاک من از رشک بسورم
باغیر کہ برتر بتم آئی ز وفا نیست

ناطق ایک دردمند دل کا مالک ہے۔ جوخواجہ حافظ کی خلوتوں میں آدھی رات کی مناجاتوں کو گنجینہ سعادت قرار دیتا ہے۔

حافظ:

مئے صبوح و شکر خواب صبحدم تاچند
بہ عذر نیم شی کوش و نالہ سحری

ناطق اپنی قوت گفتگو سے اس مفہوم کو اس طرح ادا کرتا ہے۔

بروائے دل برو، سینہ صد چاک برو
نالہ زار مذاری ز تو بیزار شدم
مئی بیا دِرخ آں غنچہ دہن بسکہ زدیم

خندہ گل دمداز گریۂ مستانہ ما
خاموش ازاں شدم کہ مباد از فغان من
آتش فتدبہ خار کرو خسِ آشیان من

یہ شاعراور زبان وادبیات فارسی پراعلیٰ ولطیف دست رس کا مالک ۱۸۴۸ میں بے وطنی کی حالت میں لکھنؤ (ہندوستان) میں جہانِ فانی سے عالم جاودانی کوسدھارا اور تاریخ ادبیات میں اس سرزمین پراپنی یادیں چھوڑ گیا۔ افسوس کہ ایسے قادرالکام شاعر کا مکمل دیوان اب تک تلاش اور شائع نہیں کیا جاسکا۔ اگرچہ اس کے کچھ فارسی کلام، فارسی اور بلوچی کا ایک مجموعہ ان کے لکھنوئی شاگردوں نے ۱۸۹۰ میں پہلی مرتبہ ہندوستان میں زیور طباعت سے آراستہ کر کے محفوظ کیا تھا جسے ۱۹۶۹ میں بلوچی اکیڈمی کوئٹہ نے دوبارہ شائع کیا۔

۲۳،۲۴ نومبر ۲۰۰۰ کو بلوچی اکیڈمی نے خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران کے تعاون سے ایک دو روزہ سیمینار منعقد کیا جس میں بلوچستان کے نامور ریسرچ سکالرز اور اسلامی جمہوریہ ایران کے مقرر دانشوروں نے گل محمد ناطق کی شخصیت اورفن پراپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا جنہیں ہم اس کتاب کی صورت میں شائع کررہے ہیں۔

لیکن پھر بھی ناطق کی غزلوں کے علاوہ قصیدوں، رباعیات واشعار محتاج تلاش واشاعت ہیں۔ اسی طرح ان کے خطوط اور مراسلات جو عالمانہ نثر کا نادر نمونہ ہیں ان کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ اس طرح ناطق کے رشتہ داروں پسماندگان اور شاگردوں کا اتہ پتہ کر کے ان سے ناطق کی ابتدائی زندگی کے واقعات وحالات معلوم کئے جائیں اور لکھنؤ اور دہلی کے سچے گہر پاروں اور افکار کو جن کو اس عظیم شاعر نے منظوم کیا ہے اس قدر دانی سے جو ان کی یادیں تازہ کرے اور سرزمین مکران کو زندہ دلوں میں محفوظ رکھے متعارف کرنے کی ضرورت ہے، جیسا کہ خود انہوں نے کہا ہے

مرد مشہور کند نامِ وطن را ناطق
بایزید ایں ہمہ جا گفت کہ بسطامے ہست

شال

اثیر عبدالقادر شاہوانی

اظہارِ تشکر

جان محمد دشتی

چیئرمین بلوچی اکیڈمی

ہمیں خوشی ہے کہ بلوچی اکیڈمی کو آج فارسی اردو اور بلوچی زبان و ادب کے اہل علم اور اہل دانش کی میزبانی کا شرف حاصل ہے۔ اکیڈمی نے زبان و ادب کی خدمت کے کئی دھائیوں سے بلوچستان کے اہل علم و دانش کی رفاقت میں طے کیے ہیں۔ اکیڈمی نے اس دوران بلوچی زبان و ادب پر کتابوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اردو، فارسی اور دیگر زبانوں میں بھی نامور اہل قلم اور اہل دانش کی کتابیں اور تصنیفات شائع کی ہیں۔ اور علم کے اس عظیم سرمایہ کو آنے والی نسلوں کیلئے محفوظ کرلیا ہے۔

گل محمد ناطق پر یہ سیمینار پچھلے چند سالوں میں اپنی نوعیت کا پہلا سیمینار ہے خاص کر اس لئے بھی کہ خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران اور بلوچی اکیڈمی دونوں کی مساعی اس میں شامل ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ہماری اس کاوش میں آقائی عیسیٰ کریمی، ڈائریکٹر خانہ فرہنگ کا عملی تعاون شامل رہا ہے۔

اس دیوان میں جو آج اختتام پذیر ہو رہا ہے اہل قلم اور اہل دانش نے ناطق گل محمد کی شاعری ان کا اسلوب، زبان و بیان پر ان کی گرفت اور ان کی شاعرانہ تخیل اور فارسی زبان میں ناطق گل محمد کے مقام اور حیثیت کے بارے میں روح پرور اور نہایت ہی اعلیٰ پایہ کے علمی اور ادبی مقالے پڑھے اور مجھے یقین ہے کہ یہ مقالے ہمارے ادب میں گراں قدر اضافہ ہوں گے۔

فارسی اور بلوچی دونوں ایک ہی سرچشمہ سے پھوٹے ہیں۔ دونوں زبانوں میں تاریخی اور ثقافتی تعلق نہایت ہی گہرے اور صدیوں پر محیط ہیں۔ بلوچ اپنی اس سرزمین میں صدیوں نہیں بلکہ ہزاروں سال سے آباد ہیں اور ایرانی اقوام کے ساتھ ان کے سماجی اور تاریخی رشتے اتنے ہی پرانے اور قدیم ہیں جتنے کہ خود ان دونوں اقوام کا وجود۔ تاریخی اعتبار سے چند

ناخوشگوار سیاسی واقعات کے علاوہ جس میں بلوچ اور ایرانی اقوام میں کشیدگی اور مخاصمت رہی، تاریخ کے اس لمبے عرصے میں بلوچ اور ایرانی اقوام آپس میں ہمسایگی اور اخوت کے گہرے رشتے میں منسلک رہے۔

آج بھی بلوچ ایران کے سیستان، کرمان اور بلوچستان کے خطوں میں آباد ہیں۔ بلوچوں کے جو علاقے بشمول پاکستانی بلوچستان، پاکستان کے جغرافیائی حدود میں شامل ہیں۔ ان علاقوں میں رہنے والے بلوچوں کے بیشتر قبائل کا آبائی ملک ایرانی بلوچستان رہا ہے۔ ہمارے بہت سے قبائل کے نام بھی ایرانی بلوچستان کے ان علاقوں سے منسوب ہیں جہاں سے انہوں نے کئی سو سال پہلے مشرق کی طرف مراجعت کی۔ اس طرح ایرانی بلوچستان اور پاکستانی بلوچستان اور پاکستان کے دوسرے علاقوں میں بلوچ آبادی، ایران اور ان کے عظیم عوام کے ساتھ اپنی تاریخی، ثقافتی، لسانی اور جغرافیائی وابستگی پر فخر کرتی ہے۔

بلوچی اکیڈمی کی خواہش ہے کہ اسلامی جمہوریہ ایران کے ان اداروں کے ساتھ جن کا تعلق زبان و ادب سے ہے گہرے روابط رکھے جائیں۔ خانہ فرہنگ اور بلوچی اکیڈمی اس سلسلے میں ایک ایسے تاریخی رشتے کو مستحکم کرنے اور اسے بڑھانے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں جو دنوں

اقوام میں ہزاروں سالوں سے موجود ہے۔

بلوچی اکیڈمی اور اس سے وابستہ اہل علم اور اہل دانش یہ امید رکھتے ہیں کہ ایران کی اسلامی جمہوریہ، ایران میں بلوچی زبان وادب کی ترویج میں ان بلوچ اہل علم و دانش کی مدد کریں گے جو وہاں اس کام میں مصروف کار ہیں ہمیں توقع ہے کہ بلوچی زبان کو ایران کے بلوچ علاقوں میں ذریعہ تعلیم بنانے کیلئے ایران کی اسلامی جمہوریہ عملی اقدام کرے گی۔ ہمیں یہ بھی امید ہے کہ ایرانی حکام بلوچی رسائل و جرائد کی چھپائی اور ترسیل کی راہ میں حائل موجود رکاوٹیں دور کرنے میں مدد دے گی۔ میں ایک بار پھر خانہ فرہنگ کے ڈائریکٹر آقائی عیسیٰ کریمی کا مشکور ہوں کہ انہوں نے ناطق گل محمد کی شاعری پر سیمینار کے انعقاد میں تعاون کیا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ یہ تعاون دوسرے علمی و ادبی شعبوں میں بھی جاری رہے گی تا کہ دونوں اقوام کے درمیان تاریخی، لسانی اور ثقافتی رشتے مزید مستحکم ہوں۔

میں آپ سب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس سیمینار میں شرکت کی۔

کلمات

ڈاکٹر منیر احمد گچکی

پاکستان کے قیام سے ہی اسلامی جمہوریہ ایران کے ساتھ عموماً شاندار تعلقات رہے ہیں۔ بلوچستان کے لوگوں کا ایرانی عوام کے ساتھ گہرا ثقافتی اور نسلی تعلق رہا ہے اور دونوں برادر اقوام کی ثقافت میں جلیل القدر اشتراک اور مماثلت ہے۔

اس طرح کے سیمینار دونوں ممالک کے تعلقات اور بھائی چارے کو تقویب اور فروغ دینے میں بہت مفید اور کارآمد کردار ادا کرتے ہیں۔ اس سیمینار میں جو مقالے پڑھے گئے ان سب ہی سے ایک رائے سامنے آئی وہ یہ کہ ناطق کا تعلق مکران سے تھا۔ وہ ہندوستان کے مایہ ناز شاعر اسد اللہ خان غالب کے ہم عصر فارسی زبان کے ایک عظیم شاعر اور سچے مسلمان تھے۔

پاکستان کی ایران سے مستقل اور دائمی محبت و انیست اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ نہ صرف ایران ایک قریبی ہمسایہ ہے بلکہ بلاشبہ پاکستان کی مادر ثقافت کا درجہ حاصل ہے۔ یہاں پر ناطق مکرانی کے علاوہ کئی دیگر بلوچ فارسی شاعر رہے جنہوں نے فارسی ادب کیلئے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ جن کے متعلق مزید تحقیق کی ضرورت ہے اس طرح کے سیمینار در حقیقت دونوں برادر ممالک کے پڑھے لکھے افرد کے مابین نئے نظریات اور معلومات کے تبادلہ کا ذریعہ بنتے ہیں۔

آخر میں بلوچی اکیڈمی کی طرف سے خانہ فرہنگ ایران کے اکابرین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ہمارے ساتھ مل کر اس سیمینار کا انعقاد کیا اور اس سلسلے میں جو اُن کا تعاون تھا وہ لائق تحسین ہے۔

گل زمین مکران کا گُل ناطق

حکیم بلوچ

ہم گزشتہ صدی کے چھٹے عشرہ کے اوائل میں اُس وقت کے واحد کالج یعنی گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں زیرِ تعلیم تھے۔ تو ہمارے حلقۂ احباب میں یہ بات خوشبو کی طرح پھیل چکی تھی کہ مرزا اسداللہ غالب کے ہمعصر سخنوران فارسی میں ایک شاعر تھے۔ جنکا نام گل محمد ناطق اور تعلق مکران سے تھا۔ جو غالب کے فارسی کلام کو پرکھتے تھے اور کبھی کبھار اس میں اصلاح بھی کیا کرتے تھے۔ کچھ تو یہ کہتے کہ غالب نے اپنا فارسی دیوان ناطق کو نظر ثانی کیلئے بھیجا تھا۔ بہت سوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ مکران میں اتنے بڑے جید

عالم اور زبان شناس شاعر پیدا ہو سکتے ہیں۔ غالب کے مداح زیادہ تر غالب کی اردو شاعری میں شد بد رکھتے تھے۔ مگر ان کو یہ گوارا نہ تھا کہ غالب کی فارسی شاعری میں بھی کوئی دوسرا اس کا ہم رتبہ ہونے کا دعوی دار بنے۔ مگر یہ حقیقت تھی کہ غالب کے دیوان فارسی کو لوٹانے کے معاملہ پر دونوں شعرا میں اچھی خاصی رنجش ہوئی تھی۔ ایک محترم تو یہاں تک لکھ گئے کہ۔

''ہمیں حیرت ہے کہ ناطق نے اصلاح کی جسارت کیسے کی۔''

اسد اللہ غالب کی فطرت سلیم کو دیکھئے کہ انہوں نے وہ مصرع بدل دیا۔ ورنہ سورنی، سور نی ہوتی ہے۔ وہ چوپایہ ہے۔ اب اس کے اگلے Limbs کو پنجہ کہیں دست کہیں یا سُم کہیں، فرق کیا پڑتا ہے مگر سچ یہ ہے کہ ولی را ولی می شناسد کے مصداق اچھا ذہن ہی اچھے ذہن کو جان سکتا ہے چنانچہ جب ناطق نے پنجہء خوک کا تب تحریر کے سر تھوپ دیا اور نہایت ہی ادبیانہ انداز میں اس کی تصحیح کی طرف اشارہ کیا تو مرزا غالب نے نہ صرف اسے Appreciate کیا۔ بلکہ ''خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد'' کو ''خوک شد و بد نفسی ساز کرد'' بدل دیا۔ غالب کو پتہ چل گیا تھا کہ سور کو پنجوں سے نواز کر اسے شیر بنایا نہیں جا سکتا ہے اس لئے اس کے سموں کو بھی اس شعر میں نہیں سمویا۔ صرف اس کی بد نفسی کی بات کی پھر بھی مداحان و شاگردان

غالب اس کو حبارت ہی سمجھتے رہے اور کبھی تسلیم نہیں کیا کہ کوئی غیر ہندی شاعر، سخنوران ہند کے اشعار میں میخیں نکالنے کی باتیں کرے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہمارے محققین میں سور کا پنجہ اور سم ہی اِن حضرات کے شاعرانہ نقد ونظر اور اُن کے دوستانہ اور غیر دوستانہ مراسم کی بنیاد ٹھہرے۔ یا پھر آب مٹیاری اور نان جویں، نازک مزاج شاعران کے طبعیت اور رویوں کی بنیاد بنی رہی۔ یہ سارا ماجرا اس طرح اس لئے ہے کہ ہم جس توسط سے فارسی کو جانتے ہیں وہ نہ فارسی کی بنا ہے نہ اس زبان کا مزاج ہے اور نہ اس ثقافت کا رنگ ہے جس میں فارسی زبان و ادب پلا ہے اور پروان چڑھا ہے۔ ہندی شعراء فارسی میں بہت خوبصورت شاعری اور پایہ کی شاعری کرتے تھے مگر جس ماحول اور ثقافت میں وہ سخنوری کرتے تھے وہ فارسی زبان کا نہ اصل ماحول تھا اور نہ اس کی زمین تھی اور نہ ثقافت اسے میسر تھی جبکہ کلچر ہی ان تمام عناصر وعوامل کیلئے Breeding ground ہوتا ہے۔

الفاظ، محاورہ، معانی اور مطالب میں ہم آہنگی زبان کی بدولت ہے۔ اس زبان کی بدولت ہے جس کی متنوع اشکال اور مفاہیم اور ان کے مختلف nuance یا Shades کو محسوسات کی دنیا میں نہ صرف دیکھا

جا سکے۔ بلکہ محسوس بھی کیا جا سکے۔ کراچی یونیورسٹی میں انگریزی ادب کے ہمارے اُستاد ڈاکٹر کلیم صاحب نے ہمیں بتایا کہ ہم انگلستان میں اپنے اساتذہ کرام سے پوچھا کرتے تھے کہ وہ پاک و ہند کے اچھے ادیبوں اور شاعروں کو اس درجہ پر فائز کیوں نہیں کرتے۔ جس پر آپ اپنے انگریزوں کو دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ تو وہ ہمیں جواب دیا کرتے تھے کہ آپ ہماری زبان پر قابل رشک حد تک عبور حاصل کر چکے ہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ آپنے ہماری زبان کے معانی اور مطلب ڈکشنریوں سے اخذ کئے ہیں۔ الفاظ کے ایسے پوشیدہ اور غیر محسوس معنی ہوتی ہیں جو خون ہی میں محسوس کئے جا سکتے ہیں ان احساسات اور پرچھایوں کو دوسروں تک منتقل کرنا قریباً ناممکن ہوتا ہے۔ فارسی کلچر سے دور رہ کر ہندوستان کے آخری نسل کے شعراء الفاظ، معانی اور احساس کی خوبصورتی کا وہ قوس قزح اپنے اشعار میں اس انداز میں اجاگر نہ کر سکے۔ جو ان کے اجداد نے کیا تھا غالب لاکھ کہیں کہ وہ فارسی میں بہت بڑھا شاعری کرتے ہیں۔ بہ نسبت اردو کے مگر حقیقت یہ ہیکہ اردو ہی نے ان کو جو لازوال شہرت اور ابدی عظمت بخشی ہے وہ فارسی میں کبھی حاصل نہ کر پائے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ پروفیسر براؤن نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف A Literary History of Persia میں ان

Regions ریجنز کے شعراء کو کوئی جگہ نہیں دی ہے مگر ناطق اوستا اور فارسی کے بنیادی علاقوں اور تہذیب وتمدن میں پل کر جوان ہوئے تھے انہوں نے اس زبان وثقافت کے سپوتوں سے نہ صرف اپنے ذہن اور دانش کی آبیاری کی تھی۔ بلکہ ان علوم میں اکتساب علم ودانشمیں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر جوہر معظم کے مقدمہ میں کہتیہیں کہ مخدوم محمد ابراہیم خلیل نے دلخوش کے بارے میں لکھا ہے۔ ''جامع کمالات، حاوی حسنات، بعربی فائق، بفارسی رائق میاں گل محمد ناطق مکرانی است۔ مشآق بان حد بود کہ زیادہ از نصف شرح وقایہ یاداشت وہدائیہ فقیہ را ہم یاد مے کردد۔ در علم مجلس ہم کم کسی باو پہلوزند الغرض عجوبہ روزگار بود''.....

یہ سارے علمی، ادبی اور مجلسی اوصاف انہوں نے مکران میں اکتساب علم وعمل سے حاصل کئے تھے۔ اُس دور میں عُلماء کا ایک چھوٹا مگر با اثر طبقہ موجود ہوتا تھا۔ ان کا مرکز پنجگور تھا۔ جہاں سے علماء اصفہان اور شیزار سے علوم اور فن فقیہ وسماجیات میں فارغ تحصیل ہونے کے بعد آخوند اور قاضی بن جاتے تھے۔ ہمارے دوست عبدالقادر اشیر شاہوانی کہتے ہیں۔ ناطق تسپ کے ملازئی تھے اس پر مزید تحقیق کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اس قبیلہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کے جدامد شیراز سے آئے تھے وہ شیراز سے

آئے تھے یا نہیں مگر شیرازی لڑ (تلوار) اور شیرازی علوم دونوں کے ماہر تھے یعنی اہل سیف بھی تھے اور اہل قلم بھی..... یہ خیال کہ ناطق ذکری ملائی تھے بالکل لغو ہے کیونکہ پنجگور کی وادی میں ذکری عقیدہ ہر دور میں مفقود رہا ہے۔ شاید ان ملاؤں یا ملازئیوں کے زور قلم یا خوف شمشیر کی بدولت ممکن ہوا ہے۔

مگر ہندی محققین اور دانشوروں کی ستم ظریفی کہئے یا کہ تاریخ کا جبر کہ وہ ناطق اور مکران دونوں کو ان حوالوں سے جانتے ہیں جو ہند اور سندھ کے حوالے ہیں۔ مکران کو کرمان، اصفہان اور شیراز کے حوالے سے نہیں جانتے ہیں اور نہ کبھی جاننے کی کوشش کی گئی۔ سلطنت مکران کا بہت کم دانشوروں، محققوں، یا تاریخ نویسوں کو علم ہے جو صدیوں پر محیط تھی جس میں خضدار تک کا علاقہ بشمول ایرانی مکران کے شامل رہا ہے۔ انہی کے دربار میں سراج الدین سراج خراسانی اور بدیع الدین ترکو سیستانی جیسے شعرا سلطانیں مکران کی شان میں قصیدہ گوئی کیا کرتے تھے مگر ہمارے ادیب یا تاریخ دان دوست مکران کو محمد بن قاسم اور سکندر اعظم کے حملوں کے حوالہ سے جانتے ہیں یا پھر کیچ مکران کے سسی پنوں کے عشق اور پنوں کی بے وفائی اور دور حاضر میں کیچ مکران کے سردار بائیخان گچکی کے الحاق پاکستان کے توسط سے جانتے ہیں۔ ہمارے استاد محترم انور رومان جیسے جید تاریخ دان

اس پورے خطہ کے بارے میں رقم طراز ہیں ''خطہ مکران زیادہ تر ہند و فارس کے مابین رشتہ اتحاد کا کام دیتا رہا۔ آج برصغیر پاک و ہند میں ایسا کوئی علاقہ نہیں جو رسم و رواج میں عربوں سے اتنی مماثلت رکھتا ہو'' یہ منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے فارس اور ہند کے مابین رشتہ بنا رہنے والا خطہ فارس اور ہند دونوں سے زیادہ عرب زدگی کا شکار کیسے ہو گیا۔ جنگ قادسیہ کے بعد جب مملکت ساسان کا شیرازہ بکھر گیا تو مکران بھی ان کی باقی اقوام اور علاقوں کی طرح عربوں اور اسلام کے زیر نگیں آ گیا۔ اس لئے مکران عربوں سے اسلام کے حوالے سے مذہباً اتنی مماثلت رکھتا ہے جتنا کہ عجم اور وسط ایشیا کا کوئی علاقہ یا قوم رکھتی ہے نہ زیادہ نہ کم۔

مکران بلوچوں کا قدیمی مسکن ہے جب تک۔ اوستا اور فارسی ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوئے تھیں۔ تو یہ زبان حضرت زرتشت کے الہامی پیغام کا وسیلہ بنی۔ مکران اوستا جغرافیہ کا حصہ رہا ہے اور آخامنشی دور سے تاریخ میں نمایاں حیثیت کا حامل رہا ہے اور بلوچ بھی آخامنشی دور میں بطور علیحدہ قوم کے ان کے افواج کے ایلیٹ دستوں میں اپنی جنگی مہارت کے جوہر دکھاتے رہے۔ حتیٰ کے ساسانیوں کے دور میں بھی وہ ان کے شانہ بشانہ لڑتے رہے۔ مگر موعبدوں اور درباری سازشوں کی بدولت ان پر مزدکی اور

ملہد ہونے کے بہتان لگا کر ریاستی اور مذہبی ظلم و جبر کی انتہا کر دی گئی تو ان کے چند قبائل نے مسلمان عرب افواج کے امیروں سے علیحدہ بیعت کر لی تو عربوں نے ان کو برابری کا رتبہ دیا۔ جو غیر عرب قبائل کو نہیں دیا جاتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی یہ غیر عرب قبائل موالی کی حیثیت سے قبول کئے جاتے تھے۔ اس لئے بہت سے مورخ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ بلوچ عرب ہیں۔ اور مکران عربوں سے مماثلت رکھتا ہے بلوچ نہ عرب ہیں اور نہ سامی النسل نہ انہوں نے اپنی قدیم آریائی زبان ترک کی ہے اور نہ اپنے کلچر اور ثقافت پر کوئی بدیسی ملمع چڑھا رکھا ہے۔ وہ آج بھی انہیں سرزمینوں پر بس رہا ہے۔ جہاں ہزاروں سال پہلے تھا۔ مکران اس کا قدیم وطن ہے یہ اس کی گل زمین ہے جو اوستا کے ماہ کران نام سے بوجہ وسعت جانا گیا۔ اس لئے کہ زمانہ قدیم میں ماہ زمین کو کہا جاتا تھا۔ اس میں سرسبز نخلستان، وسیع میدان، لہلہاتے ہوئے کھیت۔ بے کران صحرا، سرمئی پہاڑوں کا سلسلہ اور طویل سمندری علاقہ اس اسم بامسما کی بنا بنی تھیں۔ مگر یاران نکتہ داں نے اسے کیا سے کیا بنا دیا۔ کوئی اسے ماہی خوارن کہتا۔ کوئی اسے نوح کے غیر تاریخی فرزند کی اولاد کے من گھڑت نام مکران سے منسوب کرتا ہے۔

خود میرے علاقے پنجگور کو پانچ قبروں کی سرزمین بنا دیا گیا۔ اور

ان مقبروں کو صحابہ کرامؓ سے منسوب کیا گیا۔ یہ غلط العام ہو کر قبول عام بھی ہوا۔ گو کہ قرون اولیٰ کے مستند تاریخ نویس استخری نے چوتھی صدی ہجری میں ان علاقوں کی سیاحت کی اور واضح طور پر لکھا کہ فنتز پور کا شہر کیچ وخضدار کے درمیان واحد تجارتی مرکز ہے۔ جہاں کھجور سے شکر بنائی جاتی ہے۔ اسکی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ یعنی شکر گڑھ، (The land of sugar) شہر کے اردگرد خندق ہے۔ جس میں پانی بھرا ہوتا ہے۔ رات کو خندق پر سے پل کے تختے اٹھا لئے جاتے ہیں۔ تو شہر ہر طرح سے محفوظ رہتا ہے انہوں نے اس وقت بھی وہاں پر چند مدرسوں اور درس وتدریس کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن نہایت ہی محدود سطح پر البتہ مقامی زبان ان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ جس علاقہ میں ایک ہزار سال پہلے صنعت وتجارت اور قدر ترقی یافتہ ہو اس جس میں اس وقت بھی دو چار مدارس موجود ہوں تو یہ ایک قدیم تہذیب کے نقش تھے۔ جو مٹے نہیں تھے، مٹائے گئے تھے۔ میں اس بحث کو طویل نہیں کرنا چاہتا۔ اتنا عرض کروں گا کہ مکران سومیرئین تہذیب اور ایرانی معاشرت کا ہر دور میں حصہ رہا ہے۔ سُومر اور مکران کی نخلستانی ثقافت (Oasis Culture) ہمعصر ہیں۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ ہم اس کو گولڈ شمیڈ (Gold Schimdt) لائن کے بعد زمانہ سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ یہ

ہماری اپنی کوتاہ بینی ہے کہ تاریخی واقعات کو اس کے عدسہ سے دیکھنے کی عادت ہمارا شیوہ نہیں بن سکی اور یہی رویہ بلوچستان کے فارسی سخنوروں کے بارے میں سبھی کا ہے۔

کالج میں جب فارسی پڑھنے کی عمر تھی تو ہم سائنس اور طب کے کوریڈوز (Corridors) میں سرگردان تھے۔ مگر وہاں جب کچھ نہ بن پایا تو اپنے ہی شہر کو لوٹ آئے۔

راجع آن باشد کہ باز آید بہ شہر

پھر بھی فارسی نہ پڑھ سکے۔ البتہ ہم نے مدرسہ اور اسکول میں ضرور فارسی پڑھی ہے مدرسہ میں مولوی صاحب سے فارسی پڑھنے کا اپنا لطف ہوتا تھا اس لیے کہ وہ زبان کو جانتے تھے۔ سمجھتے بھی تھے اور محسوس کرتے بھی تھے۔ کیونکہ وہ بذات خود اسی کلچر کا حصہ تھے۔ جس میں فارسی اور بلوچی زبان قرون اولیٰ میں جڑواں بہنوں کی طرح پروان چڑھی تھیں۔ اور پھر خطہ مکران کا ملا پشت در پشت فارسی اور عربی میں اکتساب علم کرتا رہا ہے۔ اس لیے اس کی ادبی شخصیت میں ایک طرف بلوچ کلچر کے اوصاف حمیدہ نمایاں ہوئے تھے تو دوسری طرف فارسی ادب و شاعری کے خزینوں سے اکتساب کردہ جوہر کی بدولت اس تخلیقات میں جام جم کی بوقلمونیوں کی جھلک مانند قوس

قزح ادب کے آسمان میں اپنے رنگ بکھیر رہی ہوتی تھی۔ مگران کو دیکھنے کے لئے چشم بینا اور پانے کے لئے سعی جگر سوز درکار ہے۔

جوہر جام جم از کان جہان دگر ہست
تو تمنا زگل کوزہ گراں می داری

جوہر معظم کے شاعر مرزا گل محمد ناطق بھی مکران کے انہیں اساتذہ، شعرا اور علماء کے قبیل سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر جب وہ سندھ اور ہند کی سر زمین کی گداز وادیوں میں پہنچے تو وہیں کے ہو کر رہے گئے۔ آپ نسباً مرزا نہ تھے۔ بلکہ قلماً مرزا تھے۔ ان دنوں اچھے انشا پرداز وادیب کو اسی نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور لگتا ہے کہ یہی لقب انہوں نے سرزمین ہند میں اپنی علمی صلاحیتوں کی بدولت پایا تھا۔ گل محمد جب سندھ میں بلوچ حکمران میران سندھ کے ہاں تالپور دربار میں پہنچے تھے۔ وہ اپنے نام کو بطور تخلص استعمال کرتے تھے۔ مگر میر موصوف نے ان کو دل خوش کا تخلص عطا گیا اور ان کے لئے یومیہ بھی مقرر کر دیا۔ مگر مخدوم محمد ابراہیم خلیل ذکر ناطق میں رقم طراز ہیں کہ وہ عالی ہمت تھے۔ اسے ضمیر نے اجازت نہ دی کہ اسے قبول کر لیتے۔ اس لئے انہوں نے سندھ کو الوداع کہا اور ہندوستان کا رخ کیا۔

برین راہ جوہر خود آزمایم

زِعالی جوہران جوہر نمایم

سندھ کے ٹالپر حکمرانوں کے بارے میں ایک قصہ مشہور ہے کہ ان میں سے ایک میر جو شکل وصورت میں مار کھا گئے تھے۔ انہوں نے ایک خوبصورت رقاصہ کو اپنے حرم کے لئے چن لیا۔ رقاصہ نے ایک دفعہ میر موصوف سے پوچھا۔ حضور جب خداوند خوبصورتی بانٹ رہے تھے تو آپ اس وقت کہاں تھے تو انہوں نے برجستہ جواب دیا۔ میں دولت لینے گیا تھا تا کہ تم جیسی حسیناؤں کو خرید سکوں۔ میر وامیر اپنی دولت وچشم سے تہی دامنوں کا دامن تو بھر سکتے ہیں مگر ان خستہ تنوں اور تہی دستوں کو کچھ نہیں دے سکتے۔ جن کا کاسہِ فقیری علم ودانش کی دولت سے مالا مال ہو۔ اس لیے ناطق نے بھی ایران کے اساتذہ قدیم کی پیروی میں کہا ہوگا۔

عطائے تو بلقائے تو بخشیدم

سندھ سے نکل کر یقیناً سوچا ہوگا۔

ملک خدا تنگ نیست

پائے گدا لنگ نیست

اور جی شاہ ولایت کا نعرہ مستانہ لگا کر عازم ہند ہوا ہوگا۔ شاعر اور شاعر کے دل کے لئے مسافری اور غریب الوطنی نہ تو کوئی انوکھی بات تھی۔

اور نہ کبھی رہی ہے اور نہ رہے گی۔ اس لیے ہمارے ہی دور کے عظیم شاعر فیض احمد فیض جب وطن بدری کے سانحہ سے دوچار ہوئے تو انہوں نے فرمایا:

مرے دل، مرے مسافر
ہوا پھر سے حکم صادر
کہ وطن بدر ہوں ہم تم
کہ سراغ کوئی پائیں
کسی یار نام برکا
ہر اک اجنبی سے پوچھیں
جو پتا تھا اپنے گھر کا

صفوی حکمرانوں کے زوال کے بعد جب افشاروں کے آخری تاجدار کو اس کے اپنے ہی سرداروں نے قتل کر ڈالا تو طوائف الملوکی کے اس دور میں حاکم قندھار اور اس کے حواریوں نے جنگ و جدال سے نہ صرف ایک نئی مملکت کی بنیاد ڈال دی۔ بلکہ اس نوزائیدہ کے اثر ونفوذ کو بڑھانے ور اسے وسعت پذیری سے ہمکنار کرنے کیلئے جنگ کو آداب جہاں بانی کا نہ صرف ستون اول بنا دیا بلکہ اپنے مفادات کے لئے اس کا بے دریغ استعمال بھی کیا۔ اس لئے سکھوں کی سرکوبی میں پنجاب کا رخ کیا۔ تالپوروں سے بد

عہدی کا خراج بٹور نے سندھ پر فوج کشی کی۔ اور پھر ذکریوں کے نام نہاد فتنہ ارتداد کی سرکوبی کے لئے مکران پر حملہ آوری کرتے رہے۔ خاک وخون کا یہ کھیل اس وقت جا کر رکا جب سلطنت مکران کے حصہ بخرے ہو گئے۔ اور کچھی علاقائی سرداروں نے نہ صرف اطاعت قبول کر لی۔ بلکہ باجگزاری کے طوق لعنت کو اپنی محدود حکمرانی کے تاج کے طور پر قبول کر لیا۔

ان حالات سے بددل ہونا ایک قدرتی امر تھا اس لیے کہ حساس و باشعور ذہن کا ان سے بناہ نہیں ہوسکتا تھا اور نبرد آزما ہونے کی اجتماعی قوت بہت پہلے شل ہو چکی تھی تو واحد راستہ وطن بدری یا ہجرت کا رہ گیا تھا۔ جسے گل محمد نے طوعاً و کرہاً اپنایا ہوگا۔

لگتا ہے کہ گل محمد نے حکم حاکم کی تعمیل میں اپنا دیار چھوڑ دیا ہوگا یا کہ چیرہ دستیوں اور خانہ جنگیوں کی ہولناک فضا سے تنگ آ کر انہوں نے شیر و خرما کی گل زمین کو الوداع کہا ہوگا یا جیسا کہ ہمارے محترم استاد ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے جوہر معظم کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ”حافظ شیرازی نے اپنی ایک مشہور غزل میں فرمایا تھا۔

ایں چہ شور یست کہ درد و رقمی بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شرمی بینم

ابلہان راہمہ شربت و گلاب و قندست
قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم

ناطق نے اسی انداز میں اپنی ہی نہیں بلکہ اس وقت کے ماحول کی یوں عکاسی کی ہے

نہ کتابی دربغل شان، نہ قلم درکفِ شان
دربغل ہیزم و در دست تبرمی بینم
ہمہ آفاق بنو شند، گلاب و قندست
مکریاں راہمہ از خونِ جگر می بینم

شاعر مکران نے شاعر شیراز کی طرح طوق زریں درگردنِ خردد یکھ لیا ہوگا اور یہی احساس ان اشعار کی نہ صرف شانِ نزول بلکہ وجہ وایمائے نزول بھی ہے ان شعراء کے عہدی منظر نامے یقیناً مختلف ہیں اور ادوار میں بعد زمان و مکان بھی نمایاں ہے۔ مگر احساس کی یہ ہمرنگی اس بعد چشم و گوش دونوں پر یوں حاوی ہوجاتی ہے کہ ثقافت و تاریخ کے سفر مشترکہ کے فاصلے گھٹ کر رفاقت وقربت کی یاداشتوں کی تاریخی لوح پر سے یادوں کی کندہ لکیروں کو پھر سے جنم دے کر برج فریدونؑ کی طرح ذہن کی چشم بینا میں یوں منقش جا کر جاتے ہیں کہ عہد تقدیم اپنی تماتر تقدیس کے ساتھ پھر سے

ابھرنے لگتا ہے۔ مگر افسوس، مسلم مملکتوں کو اس وقت ایسے دیو ہائے سبک پا کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا جو سایہ آسیب کی مانند بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اور زوال کا یہ آسیبی دور اس وقت جا کر ختم ہوا ہے۔ جب فرنگیوں کے استعماری راج نے سارے جہاں کو اپنی ہوسنا کیوں میں جھکڑ لیا اور وہ فخریہ کہتے رہے کہ ہمارے اقتدار کا سورج طلوع ہوتا ہے غروب ہوتا نہیں۔

سامراجی قوتیں اپنی سیاسی بالادستی حربی برتری کی بدولت قائم کر تو لیتی ہیں۔ مگر ثقافتی بالادستی کبھی قائم نہیں کر سکتیں کیونکہ قدیم متمدن دنیا کی قوموں کی ثقافتی روح اس کی متحمل نہیں ہو سکتی ہے۔ اور وہ فرد اور معاشرہ دونوں کو مزاحمت پر ابھارتی رہتی ہے۔ اور اہل دانش جب بغل میں ہیزم کو کتاب کی جگہ دیکھ لے اور ہاتھ مین قلم کا نعم البدل تیر بن جائے تو ظاہر ہے کہ شاعر اہلِ وطن کو خونِ جگر کی عرق ریزی کی بدولت زندہ رکھنے کی تمنا کر لیتا ہے اور انہی خوابہائے پریشان کو اپنا کر تخلیق وفن کی اپنی کائنات پیدا کر لیتا ہے اور زندوں میں زندہ رہنے کے رازِ خود آ گہی سے بے خودی کی منزل کی طرف چل پڑتا ہے تو یوں فن وآ گہی کی زیست جاودان سے ہمکنار ہو کر ابدی کائنات کا جزو لاینفک بن کر زندہ جاودان ہو جاتا ہے۔

حضرت شبلی نعمانی اپنی شعرہ آفاق کتاب شعرالعجم میں کہتے ہیں کہ

ایران کے اکثر فارسی شاعر اور سخنور جب اپنے وطن کو چھوڑ کر دولت وثروت کی تمنا میں یا رزق وزور گار کی تلاش میں ہندوستان پہنچتے تھے تو وہ اپنے وطن کے بارے میں دل میں کوئی انس نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اس کی برائی بھی کیا کرتے تھے۔ مگر ابو طالب کلیم کاشانی اپنے وطن کو نہ صرف اچھے الفاظ میں یاد کرتے تھے بلکہ اس کے گن بھی گاتے تھے۔ گو کہ یہ دور مغلوں کا سنہری اور خوشحالی کا دور تھا۔ اس کو کشمیر سے عشق ہو گیا تھا۔ مگر کاشانی، طہران، شیراز اور اصفہان کو کبھی بھلا نہ پائے۔

اس طرح گل محمد ناطق بھی ہندوستان میں رچ بس گئے۔ اس نے قدر شناسی اور ناقدر شناسی دونوں کو دیکھ لیا۔ مگر اس کا دل اپنی وطن اور گل زمین سے اٹکا رہا۔ اس لئے ہواؤں کو پیغام دے کر کہتا ہے۔

صبا از جانب ناطق سلامی خاک مکران را
کہ من چون غنچہ دل در گلشن ہندوستان بستم

اور پھر عزیز واقارب اور وطن کی یاد میں یوں گریہ کناں ہے۔

گاہ در نالہ ام از درد گرفتاری خویش
گاہ در گریہ ام از فرقت اطفال و عیال

اسی غریب الوطنی اور فلاکت زدگی کے عالم میں بھی اس نے اپنے

افتخار اور عالی ہمتی کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ ان کی عالی ظرفی اور ارادہ کی پختگی دیکھئے کہ واقعتاً خاک کھانے پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں مگر دریوزہ گر کہلانا بالکل پسند نہیں کرتے۔

گرنان بعزتم نرسد خاک مے خورم
در یُوزہ گر نہ یم کہ دیم آبرو بہ نان

اس لئے انہوں نے عصری تقاضوں کے پیش نظر قصائد ضرور لکھے مگر بے جا مدح سرائی کو کبھی اپنی شعار نہیں بنایا۔ لکھنو کے نواب امین الدولہ کی تعریف میں قصیدہ لکھا۔ تو شیراز واصفہان کی غیرت ان کو بھلی لگی:

گرچنیں تربیت اہل سخن خواہی کرد
لکھنو غیرت شیراز و صفاہان گردد

ناطق بھی غالب کی طرح دل سے مدح سرائی کو ناپسند کرتے تھے شاید وہ بھی ان کی طرح اس مقام پر جہان شعر وسخن کی دُنیا میں جانے جاتے تھے مطمئن نہ تھے جیسا کہ غالب کہتے ہیں۔

ما نبودیم بدین مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہش آن کرد کہ گرد دفن ما

قصیدہ گوئی کو بھی ان کی طرح پیشہ ہوس کاران سمجھتے تھے۔ اس لئے

وہ بھی اپنی فن اپنی برتری اور اپنے آپ کا ذکر اُن قصیدوں میں ضرور چھیڑتے تھے۔

درین زمانہ من آن شاعرم کہ نتوان یافت
نظیر من بہ سخن در قلمرو ایجاد

اور پھر ایک قصیدہ میں یوں گویا ہوتے ہیں۔

آن بلبلم کہ گر بچمن سر کند فغان
از ہر درخت آتش موسیٰ شودعیاں
آن گلشمن کہ باد زفیضِ شمیم او!
بخشد بمردہ چون نفس عیسی روان
آن قطرہ ام کہ بالد اگر بر وجود خویش
ہر قطرہ اش نشان دہد از بحر بیکران

گل محمد ناطق کے کلام کا صرف ایک ہی مجموعہ جوہر معظم ہمارے ہاتھ لگا ہے۔ جسے بلوچی اکیڈمی نے شائع کیا ہے اس کا مقدمہ ہمارے استاد محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے بڑی محنت اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس سے راقم نے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے اور انہی کے حوالوں اور آرا سے متاثر ہو کر میں نے یہ مضمون ترتیب دیا ہے۔ بحیثیت

شاگرد ممنونیت اپنی جگہ مگر اس مضمون کی تیاری میں مجھے جس قدر رہنمائی ملی ہے وہ میں محسوس کر سکتا ہوں۔ بیان نہیں کر سکتا۔ میں ان کا بہت مشکور ہوں۔

مقدمہ کے آخر میں آپ کہتے ہیں گل محمد ناطق فارسی ادب میں سرزمین مکران کی سربلندی اور تابندگی کا باعث بنے ہیں جیسا کہ وہ فرما گئے ہیں۔

مرد مشہور کند نام وطن را ناطق

بایزید این ہمہ جا گفت کہ بسطامی ہست

واقعی فارسی ادب میں انہوں نے اپنے وطن کا نام روشن کیا ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ان کی زندگی ادب اور شاعری پر مزید تحقیق کر کے گل زمین مکران کے گل ناطق کی سربستہ خوشبو کے بولتے سناٹوں کو تاریکی کے غاروں سے بازیاب کر کے روشن کائنات میں آفاقیت کے دھنک رنگوں میں بکھیر کر ان کہکشانوں کا حصہ بنائیں جو ادب کے ہفت آسمانوں میں ابدیت کی ضوفشانیوں میں جلوہ افروز ہیں۔

آنکہ حکیم است ونعیم وکریم (ناطق)

ناطق مکران گل محمد خان

دکتر انعام الحق کوثر

شاعر شیرین مقال گل محمد (المتخلص بہ دلخوش بعدا ناطق) در آخر قرن ھیجدھم یادر اوایل قرن نوزدھم میلادی در سرزمین مکران زندگی می کرد کہ سال تولدش در پردہ خظ ماندہ است۔ ھمین قدر میدانیم کہ او نیمۂ اول عمر خویش رادر اینجا بحر برد۔ درین ابیات باتوجہ بہ سبک حافظ شیرازی خصوصیات وحالات ھموطنانش رابیان کردہ است۔

نہ کتابی بہ بغل شان نہ قلم در کف شان
در بغل ھیزم و در دست تبری بینم
ھمہ آفاق بنو شند گلاب و قنداست
مکریان را ھمہ از خون جگر می بینم

برطبق تحقیق آقای کامل القادری اسبق مدیر معاون ''افکار'' (مجلہ معروف و معتبر) کراچی ناطق باقبیلہ ملازی ازشہر تسپ علاقہ پنجگور تعلق داشتہ۔ درتذکرہ تکملہ مقالات الشعرا آمدہ: ''جامع کمالات حاوی حسنات، بعربی فائق بفارسی رائق، مشاق بان حد بود کہ زیاد از نصف، شرح قصایہ، یادداشت وھدایہ فقہ راھم یامیکردد۔ کلام فارسی ھم بسیار برزبان داشت، در علم صحبت ھم کم کسی باو پہلوزند۔ الغرض اعجوبہ روزگار بود۔''

چون درمکران قدردانی راندید اولاً بجانب سند مسافرت نمود و بعد ازان بدربارِ شاھزادگان اودھ رسیدہ بہ حلقہ محمد علی شاہ، امجد علی شاہ و واجد علی شاہ وابستہ شدودرآنجا گفت۔

صبا از جانب ناطق سلامی خاکِ مکران را
کہ من چون غنچہ دل در گلشن ہندوستان بستم

ناطق باشاعر معروف عصر مرزا اسد اللہ خان غالب دھلوی مکاتبہ داشت وراجع بہ اشعاروی اظہارنظر میکردو پیداست کہ قریحہ نقادی برخوردار

بودہ۔ باری ناطق راجع بہ این شعر غالب گفتہ بود۔

خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد
باسر و رو عربدہ آغاز کرد

حق پرستی وسلیم الفطرتی غالب قابل تحسین است کہ مصرع اول را چنین تغیر داد

خوک شدو بد نفسی ساز کرد

گل محمد ناطق مکرانی در ۱۲۶۴ھ قمری (۱۸۴۸ میلادی) جہان را پدرود گفت و مادہ تاریخ وخاتش ناطق مکران گل محمد خان'' است۔ آثار ناطق عبارت از یک مثنوی و دیوان است کہ مثنوی او دیگر امروز پیدا نمی شود۔ منشی جواھر سنگھ جوہر سنگھ جوہر پسر بختاور سنگھ راقم لکھنوی شاگرد ناطق، دیوان مختصری از سخن او گرد آوری ''جوھر معظم'' را مادہ تاریخ ان کردہ است کہ اولین بار در چاپخانہ نولکشور لکھنو بسال ۱۲۷۷ھ/۶۱.....۱۸۶۰ چاپ شد، اینک قطعہ تاریخ مولوی رفعت علی رفعت کہ در پایان آن آمدہ است ذکر می شود:

چو کلیات ناطق او ستادی + کہ شد کنز الجواھر در دھن ھا
بطبع آمد ز طبع رفتم جُست + بتاریخش گلستانِ سخنہا

۱۲۷۷ھ

خوش بختانہ من بفضل ایزوی وبعد کوششہای مداوم و زحمات

متمادی کشیده اندازآسی و پنج سال پیشتر این ''جوهر معظم'' راپیدا کردم وبطور ارمغان علمی به ارباب بلوچی اکادمی پیش کردم۔

باردوما کادمی بلوچی کویٹہ ''جوهر معظم'' رابا مقدمه بسوطی از بندہ (انعام الحق کوثر) بسال ۱۹۶۹ء انتشار داده۔

جوهر معظم مشتمل است برقصیده ها (شش صد هشتاد و دو بیت) غزلها (چهار صدو چهل بیت) رباعیات (نو) ورتعات (نامه های) نثر (۹صفحه)

ناطق قصاید خوادارا ینطو آ خازمی کند:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم + آنکه حکیم است و نعیم و کریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم + جمله جهان حادث وذاتش قدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم + پیش ازل بعد قیامت مقیم

ناطق سه چیز (حسن تلخیص، حسن مقطع) معیار خوبی قصیده راحفظ کرده است۔ اکثر قصاید او خطابیه است۔ دو قصیده او در منقبت حضرت علیؓ است۔ درآنجا میگوید۔

آنچه موسیٰ دیدرسینا به بینی بی حجاب

سُرمه چشمت شود گر خاکپای بوتراب

قدرت ناطق در قصیده سرائی و شوکت الفاظ، ندرت تشبیه، پرواز بلند، علو تخیل، جدت ترکیب و مبالغه در کلام او آشکار۔ ناطق شکوه از قدر ناشناسی را تنها در نثر نیاورده بلکه در اشعار خود هم نموده است۔

صدر هش در گذرِ خضر فشاندیم ولی
از سیر بختی ما سبز نشد دانه ما
ناطق از خجالت کم قیمتی خویش بدهر
آب شد باردگر گوهر یک دانه ما

داراب بیگ جویا میگوید:

مادل خویش با بروی خم آو یخته ایم
همچو قندیل بطاق حرم آو یخته ایم

هلالی:

بیوسته ابر ویت، دل این نا توان کشد
مردم کمان کشند، مرا این کمان کشد

صائب:

بیمار عشق در خم محراب ابر و یش
خواهد چو چشم او با شارت نماز کرد

اکنون ملاحظه فرئید ناطق این مضمون را با چه مهارتی بیان کرده:

برسر بام بیا گوشه ابر و بنما
روزه داران جهان منتظر ماه نو اند

گاهی ''بنگی'' را زراطشت از بام افتاده میکند:

بنگی زدیم و سَرانا الحق پد آشکار
''مارا ازین گیاه ضعیف این گمان نبود''

نتیجه صحبت کسانی را که ''دورنگی'' میکنند ملاحظه کنید:

گر خُلم در دل یارانِ منافق چه عجب
گل بدم از اثیر صحبت شان خارشدم

دل عاشق صادق از شمع هم سوزان تر است:

شمع از سوختن خویش شکایت می کرد
وانمودم دلِ سوزان و خموشش کردم

مقاله بینکلام ناطق مکرانی واُستادان مثل شیخ سعدی، حفظ شیرازی، جامی، فغانی شیرازی ومرزا غالب وغیره، مقاله های راقم الحروف پیش کرده در کتاب بنده شعر فاسی در بلوچستان، بلوچستان میں فارسی شاعری، مقدمه

جوهر معظم، منتخباتی از شعرای فارسی گوی بلوچستان، Glimpsas of Persian Poetry چاپ شد۔ لطفاً از آنجا ملاحظه بکنید۔

یکی از تذکره نگاران بابا فغانی شیرازی (درگذشته نه صد بیست و پنج هجری قمری) را ''حافظ کوچک'' نوشته ات۔ ما هم می توانیم ناطق را ''غالب کوچک'' بگوئیم۔ بیان طبعی و ساده، شدت جذبه و عمق احساس از مختصات شعر او میباشد۔ گاهی فکر و اندیشه از آن قدر بلند میشود که حتی شعرای بزرگ هم نمی توانند با او پهلو زنند۔ بعد از مطالعه شعر ناطق ما میتوانیم بگوئیم که ناطق از گروه شاعرانی نیست که به آسانی از شعر او صرف نظر کنیم و اهمیتی برای ان قائل نشویم۔ اکثر معاصران او را از اساتذه شمرده اند و این عقیده معاصرین او برای بقاو دوام شهرت او کافی است: آواز ناطق مکرانی می آید:

در بسته بخانه اندرون میگریم
تابی نبرد کسی که چون میگریم
دُور از لب میگون تو مانندِ کباب
می سوزم و می نالم و خون میگریم

غالب وناطق

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

مرزا غالب (۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء ۱۷۹۷ء۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۹ء) کی ایک معروف مثنوی (درد وداغ) (۱) ہے جس میں انہوں نے ایک مزیدار کہانی بیان کی ہے ہ کیسے ایک عورت کی یہ دعا مستجاب ہوئی کہ وہ پھر سے جوان ہو جائے جوان ہوتے ہی اس کے تیور بدل گئے اس نے اپنے شوہر کو دھتکار دیا۔

عہد حق صحبت و الفت شکست

رنگ بررخسارہ عصمت شکست

چنانچہ شوہر نے اس کی بے وفائی سے شکستہ خاطر ہوکر بددعا کی اور وہ سورنی بن گئی اس موقع پر مرزا غالب کہتے ہیں۔

خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد
با سرو رُو عربدہ آغاز کرد

اس پر مرزا غالب کے ایک ہم عصر گل محمد خان ناطق مکرانی (المتوفی ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ نے اپنا خیال ظاہر کرنے کی جسارت کی یہ صاحب خطہ مکران سے متعلق تھے۔ اٹھارہویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں وہیں اپنی خداداد لیاقت کے جوہر دکھائے۔ پھر سندھ کا رُخ کیا وہاں سے ہندوستان پہنچے اور اودھ کے شہزادوں (محمد علی شاہ، امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ) کے دربار سے متعلق ہوگئے (۲) وہیں سے گویا ہوئے۔

صبا از جانب ناطق سلامی خاک مکران را!
کہ من چون غنچہ دل در گلشن ہندوستان بستم
ای عزیزان وطن دست بشوئیداز من!
کہ کشتہ ہندم و سبزان گلابی پوشش!

لکھنو ہی سے انہوں نے مرزا غالب کو خط لکھا جس میں اپنی زندگی

کے حادثات اور آفات کا ذکر کیا ہے رئیسوں اور امیر زادوں کی اس بے حسی اور مردہ دلی کا شکوہ کیا ہے جو وہ فن کاروں اور اہل علم حضرات سے روا رکھتے ہیں خط کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔(۳)

رقعہ بہ اسد اللہ خان غالب دہلوی عُرف مرزا نوشہ

ای آنکہ بری نامہ من روبقضا کن

صدقا فلکہ رشک ببیں بر اثر خود

چوں وشرح اشتیاق ملاقات آنجناب کرامت انتساب نہ بمثابہ الیست درحیز تحریر گنجائی پذیرد ناگذیر بگزارش برخی از سوانح حیات ایضوب سامع خراش میگردد۔ کما بیش دہ سال میگزرد کہ زمین گیر ایں دیار میباشم، آما طرفیگا ئیکہ از وضع ایں دیاریان دیدہ ام ہیچ کافر نہ بینا واز خواص وعوام این مخلوق کمتر کسی بودہ باشد کہ نسبت تعارف یا جسمی با من درست نکردہ باشد..... پھر لکھتے ہیں (چہ عجب کہ غالب راز دیوان برخیز اندوناطق رابجائش نشاند..... ہیہات ہیہات)

من چناں تان چنیں دریغ دریغ

اسی خط کے آخر میں (خوک شدو پنجہ زدن ساز کرد کے بارے میں اصلاح کی ضرورت کا احساس دلاتے ہیں اور یہ لکھتے ہیں کہ خوک کے پنجہ

نہیں سُم ہوتا ہے اگر پنجے کا اطلاق سم پر بھی جائز ہے تو کوئی مثال دیجئے۔

مرزا غالب کی فطرت سلیم اور حق پرستی کی داد دینی چاہئے کہ انہوں نے اس تبصرہ کی معقولیت کو محسوس کیا اور تحریر فرمایا کہ میں نے سوروں کے پاؤں پر گہری نظر نہیں ڈالی تھی سمجھ لیا تھا کہ کتے وغیرہ کی طرح پنجہ ہی ہوگا۔ چنانچہ مصرع بدل دیا اور لکھا۔

خوک شد و بد نفسی ساز کرد

مرزا غالب اپنے خط میں اس طرح لکھتے ہیں۔ (۴)

از مرزا غالب ہرزہ سرا بہ ناطق رنگیں نو اسلام

راست میگویم ویزدان نہ پسندد جز راست

حرف ناراست سر ودن روش ا ہر منست

بہ تیزی دم ذوالفقار بہ فروغ گوہر حیدر کرار سوگند ہیہات پائی خوک در نظر نبودہ است اگر چہ نوع۔ آفرینش را در ویرانہ وخرابہ ہا بسیار دیدہ ام اما ژرف نگہی بکار نبردہ ام گمان من آن بود کہ خوک ہمچو سگ وگربہ پای دارد۔ اکنوں از روی نوشتہ شما در نظر جلوہ کرد کہ خوک سم دارد و پنجہ ندارد، کاش نامہ شما پیش ازاں کہ کلیات نقش انطباع پزیرد بمن رسیدی تا دریں مصرع (خوک شد و پنجہ زدن بد نفسی نبوشتمی) مرزا غالب کا صرف یہی خط ناطق کے نام پنچ

آہنگ میں چھپا ہے۔ (۵) تاہم مولانا غلام رسول مہر کی رائے سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ ان کے درمیان بے تکلف دوستانہ روابط تھے ایسا نہ ہوتا تو نہ ناطق کو یوں انتباہ کا خیال اتا اور نہ مرزا غالب اس انداز میں جواب دیتے اغلب ہے کہ دہلی یا لکھنو میں دونوں کے درمیان ملاقاتیں بھی ہوئی ہوں لکھنو کی ملاقات اس صورت میں ممکن ثابت ہوگئی کہ ناطق ۱۸۲۷ء سے پیشتر لکھنو پہنچ گے ہوں اور دہلی کی ملاقات زیادہ یقینی اس لئے ہے کہ ناطق لکھنو جاتے ہوے دہلی میں ضرور ٹھہرے ہوں گے اور کسی فارسی گو شاعر کا دہلی سے گزرنا اور مرزا غالب سے نہ ملنا قیاس میں نہیں آتا۔

ایک خط میں ناطق دہلی والوں کی یوں توصیف بیان کرتے ہیں

(دہلی در حق ما صدر درجہ رجحان برایں دیار نا پرسان داشت یاران قدر شناس با انہمہ کوتاہ دستی در بارہ ماید طولی داشتند و بہ زا قدر دان کالائے کاسرم بودند)

مرزا غالب کے وہ فاسی خطوط جو ۱۸۲۶ء تک لکھے گئے ایک بیش بہا خزانہ ہیں ان سے مرزا کی کوششوں، اور انکے ماحول کا صحیح اندازہ ہوتا ہے ان خطوط میں وہ احباب کو اپنا دکھڑا سناتے ہیں ناطق مکرانی کے خطوط میں بھی کم وبیش یہی انداز ملتا ہے۔ مثلاً مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں۔

(ہنگامہ دیوانگی بر اوریک طرف و غوغائے وام خواہاں یکسو۔

آشوبے بدید آمد کہ نفس رالب ونگہ وچشم فراموش کرد، وگیتی بدیں روشنی روشناں درنظیر تیرہ وتار شد بالبے ازسخن دوختہ وچشم ازخویش فروبستہ جہاں جہاں شکستگی وعالم عالم خستگی باخود گرفتم واز بیدادروزگار نالاں وسینہ بہ دم تیغ نالاں بہ کلکتہ رسیدم)

ناطق کے ہاں قرض خواہوں کا انتظار دیکھئے۔

(ہرگاہ کہ ازطرف خان مزکور دام اقبالہم برمیگردم اژدہام قرضہ خواہان بیشتری شود کہ شاید چیزی آوردہ باشد وبمانمید ہد)

یا پھر نظم ونثر کا صلہ ملاحظہ فرمایئے (یازدہ سال می گزرد کہ یفرمائش مربیاں صدر ہانظم ونثر پرداختم وبغیر حرمان چیزی نیندوختم ہماں حسرت است کہ امروز صورت کوفت گرفتہ کاہش جسم وجان می نمایدا گرانیہمہ دماغ سوز یہا نکردہ بودمی این مایہ تاسف ہانکردمی)

مرزا غالب اور ناطق مکرانی قصیدے کی ادبی روایت کو خوب نبھاتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ قصیدے کو عرفی کی طرح (کارہوس پیشگاں) سمجھتے تھے چنانچہ وہ تشبیب پر زیادہ زور دیتے ہیں اوراسی لئے مرزا غالب کے بعض قصائد توصیف خدا، نعت اور منقبت پر مبنی ہیں۔ ناطق مکرانی بھی کم وبیش اسی انداز پر عمل پیرا نظر آتے ہیں۔ عرفی شیرازی کی طرح

دونوں قصائد میں اپنا ذکر خیر کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ انہیں اپنی ذات سے خاصا لگاؤ ہے۔ مرزا غالب نے آخری قصیدہ خود اپنی تعریف میں کہا ہے جس کا مطلع ہے۔

از نکوئی نشان نمی خواہم
خویش را بدگماں نمی خواہم

غالب اپنی اور ممدوح کی تعریف کو ہم آہنگ کرتے ہیں جیسے

مرا بہ شیوہ جادو دمی ہمال محل
ترا بہ پایہ شاہنشہی عدیل عدیم

ایک تشبیہ میں اپنی خوش طبعی کا جائزہ بڑے احسن طریقے سے لیتے ہیں۔

مرادیست بہ بس کوچہ گرفتاری
کشادہ روی تراز شاہدان بازاری
بہ لاغری کنم آسان قبول فیض سخن
کہ رشتہ زودر باید گہرز ہمواری
زطوطیاں شکر خامگوی راز من جوی
نشاط ز مزمہ ولذت جگر خواری
چہ زلف جوہر تیغم بود پریشانی

چوچشم ناز بخویشم رسد ز بیماری

ناطق اس طرح اپنا ذکر چھیڑتے ہیں۔

دریں زمانہ من آں شاعرم کہ نتوان یافت
نظیر من بہ سخن در قلمر و ایجاد
آن بلبلم کہ گرنچمن سر کندفغان
از ہر درخت آتش موسیٰ شودعیاں
آن گلشنم کہ باد ز فیض شمیم او
بخشد بمردہ چوں نفس عیسوی روان
آن قطرہ ام کہ بالد اگر بروجود خویش
ہر قطرہ اش نشان دہداز بحر بیکران
آن شاعرم کہ شہر شعرم جہاں گرفت
چون صیت کام بخشی دوستورشہ نشان !

مرزا غالب کی طرح ناطق مکرانی کی نثر میں ہینا قدردانی کی شکایت موجود نہ جانئے بلکہ اس کی جھلکیاں غزلیہ کلاہ میں بھی ملتی ہیں مثلا

ناطق نشد بجز کفنی حاصلم زدہر
آن ہم بمزد گورکنی گورکن گرفت

صدر ہش درگزر خضر فشاندیم ولی
از سیہ بختی ماسبز نشددانہ ماں
تیغ صد گنج بہا ئیم ولی بیقدریم
کز ہنر درتہ زنگار بود جوہر ما
ناطق از خجلت کم قیمتی لخویش بدھر
آب شد بارد گر گوہر یک دانہ ما

یا پھر ناطق کو اہل وعیال اور وطن کی یاد دلاتی ہے۔

گاہ در نالہ ام از درد گرفتار یخویش!
گاہ درگریہ ام از فرقت اطفال و عیال
عفو کن جرم نالہ ام صیاد !
کامدم یادز آشیانہ خویش
مرد مشہور کندنام وطن را ناطق
بایزید اینہمہ جا گفتہ کہ بسطامی ہست

مرزا غالب کی مانند ناطق مکرانی کی زندگی کا اصل رنگ غم ہی تھا انکی زندگی میں مسرت اور اس کے زمزمے موجود نہیں انکے یہاں غم مستقل اور عمیق ہے اور ان کی زندگی کا محاصرہ کئے ہوئے ہے وہ ایسی کیفیت میں ایک

خاص قسم کی لذت محسوس کرتے ہیں مثلاً۔

نہ شتا بد اجل از دشت غم بر سرما
سر مابا دفدای غم جان پرورما!
وزرخش چشم بند حقہ مرہم دورست
ناطق مطلب صحبت راحت طلبان را
بگر یزز درد یکہ گریزان زدو انیست
نعمت جنت اگر نذر مذاقم سازند
ذوق اندوہ تو حاشا کہ فراموش کنم

ناطق غالب کی مثل غم کو مسخر کرنا بھی جانتے ہیں وہ گھنگور گھٹاؤں میں بجلی کی چمک دیکھتے ہیں پہلے غالب کے دو چار شعر ملاحظہ فرمایئے۔ پھر ناطق کا انداز دیکھئے۔

حذر از زمہریر سینہ آسودگان غالب
چہ منتہا کہ بردل نیست جان ناشکیبار ا
ای کہ بدیدہ نم زتست وی کہ بسینہ غم زتست
بارش غم کہ ہم زتست خاطر شاد میدہد
دانہ ذخیرہ می کندکاہ ببادمی دہد

آخر منزل نخست خوی تو راہ می زند

دربستہ بخانہ اندرون میگریم

تابی نبرد کسی کہ چون میگریم

دوراز لب میگون تو مانند کباب

می سوزم دمی نالم و خون میگریم

بعض غزلوں میں ناطق مرزا غالب کی ہی زمین بروئے کارلائے

ہیں جیسے

غالب: برقند نہ بر شہد نشیند مگس ما

ناطق: بر شربت وینار نچسپد مگس ما

غالب: در کشور بیداد تو فرمان قضا نیست

ناطق: در کشور بیداد تو سودا برضا نیست

غالب: زمن گستی و پیوند مشکل افتادست

ناطق: در آتشی من بیچارہ رادل افتادست

غالب: در کلبہ ما از جگر سوختہ بو برد

ناطق: اندیشہ حور از دلم آن روی نکو بُرد

مرزا غالب نے کہا تھا

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بھر آئیں گے کیا

ناطق گویا ہوتے ہیں۔

لذت زدرد بسکہ دل زار من گرفت
ناخن زدم بداغ اگر بہ شدن گرفت

غالب:

میں بھی رک رک کے نہ مرتا جو جفا کے بدلے
دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

ناطق:

تا بکی از سخت جانی نیم بسمل زیستن
میزنم زین بازبر تیغی کہ باشد بس مرا

بقول غالب:

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

اوّل منزل دگریوی توزادمی وہد

قضادر کارہا اندازہ ہر کس نگہ دارد
بقطع وادی غم می گمار و تیز گا ماں را
کلید بستگی نسبت غم بخوش ای دل
تو گر چنیں نگدازی گرہ کشائی تو کیست
خار ہا از اثر گرمی رفتارم سوخت!
بیا بہ مملکت ہمت و بہ بین ناطق !
کہ من تو نگروایں منعمان فقیر من اند
بشاخ گل نشیمن ساختن بربلبل ار زانی
کہ من درچنگل شہباز خونر یز آشیاں بستم
نخواہد ہمتم محرومی کس گوبود دشمن
پی آگاہی رہز جرس برکرواں بستم
عاجز نیم ز عربدہ آسمان ہنوز!
دارم بخویش قوت آہی گمان ہنوز
خورشید حشر سر زدو از دود آہ من
ظلمت سر است عرصہ این خاکدان ہنوز
صد شمع بر فروختم و دل ز تیرگی

باشد نیاز مند فروغ شرر ہنوز
آن ہما ئیم کہ گرد دشہ اقلیم جنوں
بر سر ہر کہ قتد سایہ بال و پرما

یہ دور عیاں ناطق کے تجربات حیات کا نچوڑ معلوم ہوتی ہیں۔

عمر یست کہ تیر چرخ را آما جم
بر تارک افلاک فلاکت تا جم
یک شمہ ز مفلسی خود شرح دہم
چندانکہ خدا غنی ست من محتاجم

بیدل نے کہا تھا۔

جز بگمنامی سراغ امن نتواں یافتن
ورنہ از پرواز ماتا بال عنقا آتش است

ناطق مکرانی اس خیال کا تانا بانا یوں بنتے ہیں

گرچو بلبل کلبہ ء از خارو خس باشد مرا
کشتنی بام اگر گلشن ہوس باشد مرا
کی میسر می شود مرغان باغ خلدرا
این فراغتا کہ در کنج قفس باشد مرا

بے ساختگی، سادی رس اور لوچ، جذبے کی شدت اور احساس کی پختگی ناطق مکرانی کے کلام کا لازمہ ہیں۔ وہ فارسی کے بعض شراء کی جھلکیاں لئے ہوئے مرزا غالب میں یوں رچے بسے ہوئے ہیں کہ ان پر غالب (کوچک) کا گمان ہوتا ہے۔

نمبر۱۔ کلیات غالب چاپ لکھنو ۱۹۲۵ء صفحات ۷۱ تا ۷۹

نمبر۲۔ شمع انجمن، محمد صدیق حسنخان بھوپال ۱۲۹۳ص ۴۷۲

نمبر۳۔ جوہر معظم، لکھنو ۱۲۷۷ھ صفحات ۳۸، ۳۹

نمبر۴۔ کلیات نثر غالب طبع سوم، لکھنو ۱۸۸۴ صفحات ۲۴۴، ۲۴۵

نمبر۵۔ مقدمہ جوہر معظم از ڈاکٹر انعام الحق کوثر مطبوعہ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۶۹ء ص ۱۱

یک شاعر و دو نگاه

ناطق مکرانی از دیدگاه غالب و زیب مگسی

دکتر سعید بزرگ یگدلی

خوشتر آن باشد که سر دلبران
گفته آید در حدیث دیگران

مولانا میرزا گل محمد ناطق مکرانی (۱۲۸۴ھ/ ۱۸۴۸م) از جمله پاعان خوش عاقبتی است که حدیث دیگران باعث شده است که در پس پرده ایام گمنام نمانده و آیندگان از آفرینشهای طبعشی بهره نمانند و گرند با آگاهیهای ناچیزی که درباره زندگانی و آثار او جود دارد، بیم آن می بود که از

وی نیز همانند بسیاری از گویندگان توانای ادب فارسی تنها نامی همراه با ابیاتی پراکنده و چه بسا منتسب به چندین نفر برجای بماند۔ در بررسی منابع اصلی و فرعی موجود درباره ناطق نظیر تکملہ مقالات الشعرا تالیف مخدوم محمد ابراهیم ''خلیل''، تتوی، پنج آهنگ از میرزا اسد الله خان غالب، جوهر معظم، شعر فارسی در بلوچستان، دایرۃ المعارف اسلامیہ اردو، خزینۃ الاشعار و فارسی گویان پاکستان چنین برمی آید که چون در مکران قدر شناسی نمی بیند به سندی رود و آنجا میر صوبدار خان تالپور مقدم او را به گرمی پذیرفته ضمن تعیین مقرری، برای وی تخلص ''دلخوش'' را برمی گزیند۔ ناطق در شهته و در معلوی به کسب علوم و دانشهار زمان خود از جمله ادبیات فارسی و فقه و صرف و نحو عربی پرداخلت۔ پس از چندی آنجارا هم ترکرده راهی هندوستان می شود و بس از سیر و سیاحت در آن سرزمین و دیدار از دربارهای امرای مختلف در لکهنوا قامت گزیده به دربار شاهزادگاه ''اودھ'' می پیوندد۔ او در ابتدا به نام خود شعر می گفت:

''گل محمد''، عمل تست دعا گفتن و بس بکند ورنکند، باش زبس گفتاری

(تکملہ مقالات الشعرا، ص ۲۸۸) چنانکه گذشت در سند، ''دلخوش''، تخلص می کرد و در هند تخلص خود را به ''ناطق'' تغییر داده ظاهرا تا پایان عمر بر همین تخلص باقی بود۔ با پدر مولف تذکرہ تکملہ مقالات الشعرا یعنی مخدوم عبدالکریم بن

مخدوم غلام حیدر ملقب به ''دائم الصوم صاحب'' (همان، ص ۲۴۵) از عارفان و زاهدان دانشمندان نام آور آن زمان بسیار الفت داشت و سالهایی را در خانقاه او به سر آورد چنانکه دائم الصوم در حق او می گفت علم صحبت ما، تاثیر صحبت ''دلخوش'' است (شعر فارسی در بلوچستان، ص ۲۴)

آنچه گذشت تقریبا مجموعه اگاهیهایی است که از منابع مذکور می توان به دست آورد۔ اما از آثار او نیز جز دیوان کوچکی شامل ۱۱۴۰ بیت شعر و برخی مکاتبات وی۔ شامل ۹ نامه از جمله نامه ناطق به میرزا اسدالله خان غالب که جواهر سینگ جوهر شاگرد او گردآوری و تنظیم کرده و جوهر معظم را ماده تاریخ آن قرار داده کهدیوان مسمّی به آن نام شده است۔ و برخی دیگر از ابیات پراکنده در تذکره ها چیزی دیگر در دست نیست، در حالی که حداقل یک منظومه در قالب مثنوی را نیز از آن از دانسته اند لیکن از کم و کیف آن اطلاعی جود ندارد۔

حتی در همین منابع نیز اطلاعاتی درباره زمان تولد، خاندان و بستگان او در دست نیست و جای آن دارد که با همت اهل ادب و تحقیق و بررسی عمیق تر در آثار باقیمانده از وی، گوشه های تاریک زندگی این شاعر نکته سنج آشکار گردد۔ گرچه به نظر می رسد تا همه اشعار و آثار منسوب به ناطق شناسایی و جمع آوری نگردد این مهم آن چنانکه باید به وقوع نخواهد پیوست۔

نگارنده نیز از همین منظر و با توجه به آثار موجود درباره ناطق مکرانی کوشیده است که دراین مسیر گامی بردارد و با عنایت به مکاتبه شاعر پرآوازه میرزا اسدالله خان غالب با ناطق وهمچنین تخمیس وتضمین میر گل محمد خان زیب مگسی۔ شاعر بلند آوازه فارسی بلوچستان درقرن اخیر۔ از غزل معروف ناطق، به معرفی جایگاه ادبی ناطق پرداز د۔

یکی از مهمترین راههای شناخت جایگاه شاعر ونویسنده وهرهنرمند دیگر دیدگاه معاصران درباره اومنی باشد۔ دراهمیت موقعیت ناطق همین بس که سخن شناس واستادی چون غالب اورا شایسته اظهارنظر و بررسی ونقد اشعارخودقرار داده است۔ از نامه ناطق به غالب که در جوهر معظم (جوهر معظم،صص ۱۴۱۔۱۴۳) آمده است چنین استنباط می شود که مکاتبات میان ایشان به کرّات صورت منی گرفته است وحتی غالب مسوده دیوان خودرا به نزد ناطقمنی فرستاده است وازنظرات اوبهره مندمی شده است۔ این معنا از نامه غالب نیز به دست می آید۔ (پنج آهنگ، صص ۵۸۴۔۵۸۶) اصل موضوع دراین مکاتبه چنین است که درمثنوی ''دردوداغ'' میرزا غالب داستان زنی رابیان می کند که دعایش مقبول درگاه الهی واقع شده ودربارہ از پیری به جوانی می گراید۔ لیکن شکرنعمت را به جانیاورده و چون به جوانی بازمی گردد شوی را

نپسند یده واز اوروی برمی گرداند۔ شوهر که بیوفایی زن رامی بیند اورا نفرین مرکندوآن زن به صورت خوک درمی آید:

خوک شد و پنجه زدن ساز کرد
باسر و رو عربده آغاز کردد

(شعرفارسی دربلوچستان،ص۲۲)

ناطق بیت مذکور رادر بوته نقد درآورده ضمن دقت فراوان در بیان ایرادوارد برمصراع اول ادب رافرونگذاشته باعباراتی وزین غالب رامورد خطاب قرارمی دهد۔ اماغالب در پاسخ، نامه ای نسبتا طولانی بهناطق می نویسد باتعابیری چون ناطق رنگین نوا، ناقد نقدسخن وامثال آن اوراخطاب می کند و همچنین نامه اوراچون گلی برمزارخوددانسته نشاط دریافت نامه راهانندسروری می داند که ارمغانهای روحانی به روانهای ازتن گسسته در پاینده گیتی ارزانی می دارند۔ غالب درنامه مقداری هم از خوشیها و ناخوشیها وگردش ایام وگله و شکایت، معمولا با دوستان و معاشران نزدیک است۔(البته درجایی دیگر غالب ضمن نامه ای به عنوان یکی دیگراز دوستانش از ناق نیز ذکری به میان آورده است واز حال ناطق جویامی شودواز بی توجهی اوگله می کند۔ نک، پنج آهنگ،ص۲۹۳) غالب همچنین ضمن نقل عین سخن ناطق درنقدشعرخویش، هم

رعایت امانت را بہ تمامی بہ جای می آورد وھم صادقانہ نظر ناطق رامی پذیرد عنوان می کند در تصویری کہ در آن بیت از پای خوک دادہاست دقت کافی نکردہ وتصوری کردہ است کہ خوک نیز ھمچون سگ وگربہ پنجہ دارد وحال آنکہ از نوشتہ ناطق پی بہ آن بردہ است کہ این حیوان دارای سم است و پنجہ ندارد و آرزو می کند کہ کاش نامہ ناطق پیش از اینکہ کلیاتش نقش انطباع می پذیرفت بہ دست او می رسید و آن مصراع را بہ ''خوک شد و بدنفسی ساز کرد'' اصلاح می کرد۔

گذشتہ از اینکہ نامہ ناطق بہ غالب و پاسخ او بہ ناطق نمونہ ای ارزندہ از نقد و نقادی در ادب فارسی است نحوہ بحث وعبارات بہ کار گرفتہ شدہ حاکی از آداب پسندیدہ ای است کہ بہ دور از جنجالھا و نارسیھای معمول در اینگونہ مباحث، می تواند سرمشق ارزندہ ای برای زمان ما نیز باشد۔ اگرچہ غالب با اظھارات خود جلوہ ای از روح بلند خود را در معرض دید آیندگان نیز قرار دادہ است، زیرا نقد و بویژہ نقد ادبی کاری آسان نیست و ایجاب می نماید کہ راھی این طریق دارای ذوق و قریحہ ممتاز و ھمچنین وسعت اطلاع در آثار بزرگان ادب باشد ولیکن گویندہ و یا نویسندہ ای کہ اثر و نظر او مورد نقد قرار می گیرد باید مراحل بسیاری را طی کردہ و از خود گذر کردہ باشد تا مانند والا سخنی چون غالب از

نقد اثر خود نهر اسدب بر آشفته نشود۔ بلکه با چنان روحی بلند به استقبال آن رفته آنگونه ناقد را مورد احترام وخطاب قرار دهد۔

از نگاه دیگر باید به نضمین شعر زیب مگسی بر غزل ناطق نظر انداخت۔ میر گل محمد خان زیب مگسی (۱۸۸۴۔۱۹۵۳م) از شاعران توانا و برجسته این منطقه و به قولی ملک الشعرای فارسی این خطه ادب خیز است۔ اشعار زیب را بیش از سی هزار بیت گفته اند که عمده آن به فارسی و بعد سندهی، عربی، پنجابی (سرائیکی) وهندی است واگر در این میان تنها خزنخ الاشعار او به یادگار می ماند بخوبی می توانست مبین استادی او در شعر و ادب فارسی باشد وی در این کتاب، شعر یکصد و پانزده تن از شاعران فارسی را از گذشته تا زمان خود تضمین و تخمیس کرده است و بروی نام شاعران مذکور حاکی از وسعت دید و اطلاع و عمق نگرش شاعر به ادب پهناور فارسی و مطالعه آثار نام آوران آن پهنه در طول بیش از ده قرن می باشد۔ نمونه اشعاری که او از شاعران برگزیده است معرف آشنایی عمیق او با آثار آنان است و از نکته سنجی او همین بس که در عباراتی مختصر ولی پر معنا بخوبی به معرفی شاعران و وصف ویژگیهای برجسته آنان می پردازد۔ این مقال را مجال آن نیست که به توصیف آثار و احوال زیب مگسی بپردازد و برای معرفی او به همین مقدار بسنده منی نماید (برای

آگاهی بیشتر از آچار و احوال ''زیب'' نک۔ مقدمہ خزینۃ الاشعار، صص ۱۵۔۳۹ بہ قلم آقایان نادر قمبرانی و شرافت عباس) تا مشخص گردد کہ چنین شاعر وسخن سنج پر مایہ ای کہ وسعت اطلاع او اینگونہ گسترده است هر سخنی را به گلستان خیال خود راه نمی دهد، مگر اینکہ با ذوق و قریحہ او دمساز باشد و چنین است کہ از دیدگاه او شر ناطق آن استعداد و قابلیت را دارد کہ همتای بزرگان ادب مورد طبع آزمایی زیب قرار گرفته و از لحاظ ترتیب در میان غزلهای تخمیس شده لسان الغیب حافظ شیرازی و امیر خسرو دهلوی قرار گیرد:

• مشو ذباب از این دلفریب خوان برخیز
مباش سنگ ببانگی چو صوفیان برخیز
که تا بدوست رسی، از خیال جان برخیز
سبکدل از هوس عشرت جهان برخیز
مشو بخاطر از این بیشتر گران، برخیز
علاج فکر همی کن، پیاله می کش
در این المکده میمان بساغری سر خوش
نواخت دوش بتی این ترانه دلکش
بزر مجوش چنان گرم، کاتش است آتش

شتاب از سر این شعله، چون دخان برخیز
چو آب چشمه حیوان، بسب چراغ مخواه
چو طفل، فسحت میدان لهو و لاغ مخواه
درین زمانه بجز گوشه فراغ مخواه
فراغ، کنج قفس از فضای باغ مخواه
سراغ دام کن ای مرغ، ز آشیان برخیز
بجسم کاستم اما بروح افزونم
حناصفت بملاسبز و خفیه دلخونم
بتاج عشق درین مملکت فریدونم
گرفت روی زمین را سرشک گلگونم
تو نیز ناله به تسخیر آسمان برخیز
شب آخر آمده بانگ خروس فاش گواست
زطوطیان نوانسنج در چمن غوغاست
پرندگان همه بیدار و فاخته گویاست
دمید صبح، گل از رخت غنچگی برخاست
توهم بذوق صبوحی ز پرنیان برخیز

چه سود یافته ای ایکه سبحه گیر شدی
بزهد خشک گریزان زبم و زیر شدی
زترک باده بدام الم اسیر شدی
بکنج صومعه، زاهد نشسته، پیر شدی
دمی بدیر نشین، می کش و جوان برخیز
درون میکده چون داشتی علم ناطق
چو زیب بود دلت خالی از الم ناطق
کنون ست گردنت از بار فکر، خم ناطق
سزای تست که گشتی اسیر غم ناطق
که گفته بود ترا کز درمغان برخیز

(خزینۃ الاشعار، صص ۱۹۱-۱۹۲)

بنابراین با عنایت به آنچه گذشت جای آن دارد که دانش پژوهان و دوستداران علم وادب با همتی درخور به شناخت افزونتر ناطق گلستان خوش بیانی پرداخته تا از این رهگذر بر فروغ ادب فارسی در این خطه ادب خیز بیافزایند.

کتابنامہ

۱۔اردو دایرۃ المعارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۸۹م۔

۲۔انعام الحق کوثر، شعر فارسی در بلوچستان، راولپنڈی: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۳۵۳۔

۳۔سید سبط حسن رضوی، فارسی گویان پاکستان، روالپندی: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

۴۔گل محمد خان ناطق مکرانی، جوہر معظم، لکھنو، ۱۲۷۷ھ، چاپ دوم با مقدمہ انعام الحق کوثر، کویتہ، ۱۹۴۹۔

۵۔محمد ابراھیم مخدوم خلیل تتوی، نکملہ مقالات الشعرا، لندن ۱۹۲۳م، طبع سید حسام الدین راشدی، کراچی ۱۹۵۸۔

۶۔میرزا اسد اللہ خان غالب، پنج آھنگ، تدوین نو و تصحیح سید وزیر الحسن عابدی، لاھور، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۶۹۔

۷۔میر گل محمد خان زیب مگسی، خزینۃ الاشعار، با مقدمہ شرافت عباس، کویتہ: انجمن فارسی بلوچستان، ۱۹۹۵م۔

دکتر سید رضا مصطفوی (نویسنده، استاد زبان و ادبیات فارسی دانشگاه علامه طباطبایی۔ تہران۔ و
زایزن فرہنگی ج۔ا۔ ایران در)

گل محمد ناطق مکرانی و اخلاص و ارادتش به

حضرت علی مرتضی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   آنکہ حکیم است و کریم و نعیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   جملہ جہان حادث و ذاتش کریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   پیش ازل بعدِ قیامت مقیم

(جوہر معظم، ص ۴۹)

گل محمد ناطق مکرانی متخلص بہ "دلخوش" (تکملہ مقالات الشعراء۔ ۲۶۴ نیز: اردو دایرح المعارف اسلامیہ: تحت عنوان ناطق مکرانی) (متوفی ۱۲۶۴ھ۔ ۱۸۴۸ میلادی) (شعر فارسی در بلوچستان، ص؟) کہ مادہ تاریخ و فاتش نیز ھمین اسم کامل اوست، دیوان شعر فارسی مختصری دارد کہ یکی از شاگردانش بنام جواھر سینگ جوہر پسر بختاور سینگ در ۲۶ صفحہ و ۴۰۰ ابیت با نام جوہر معظم جمع آوری کردہ و در چاپخانہ نولکشور لکھنو بہ سال ۱۸۴۱ مطابق ۱۲۷۷ بہ

چاپ رسیده است و بار دوم فرهنگستان زبان و ادبیات بلوچی کویتہ با مقدمه مفصل دکتر انعام الحق کوثر استاد دانشگاه بلوچستان به سال ۱۹۴۹ تجدید چاپ کرده است۔

آنچه را نگارندی خواهد در این مقال بدان اشارت کند اخلاص فوق العاده ناطق به حضرت علی است، که به حق به علی عشق می ورزید و اعتقاد داشت که اگر علی را بشناسی و به آستان مقدّسش اخلاص ورزی و ''اگر خاک پای بوتراب را سرمه چشم خودی کنی''، منی توانی موسیٰ وار تجلّیات حضرت حق را ببینی:

آنچه موسی دید در سینا بنی بی حجاب
سرمه چشمت شود گر خاک پای بوتراب

(جوهر معظم، ص ۴۹)

ناطق قدرت علی را روق تصور می داند و بر این باور است که اگر او دست از آستین بیرون کشد و به اصطلاح قدرت نمایی کند، حتی می تواند چشمهای ضعیف شب پره را بینا کند:

قدرتش آنجا که دست از آستین بیرون کند
می نهد عینک به پیش چشم شب پرز آفتاب

(جوهر معظم۔ ص ۴۹)

ناطق علی را به زیبایی صورت و ظاهر نیز توصیف می کند که اگر ماه

کنعانی۔ حضرت یوسف ہے کہ درزیبائی شهرت داشت، ۔رخ علی را درخواب می دید بر عشق بی جای زلیخا۔ کہ عاشق زیبایی یوسف بود، خنده می زد:

خنده ها بر عشق بی وجہ زلیخا می زند

گر شبی رویش ببیند ماه کنعانی بخواب

(همان۔ص۵۰)

ناطق مکرانی علی را شاهنشاهی می داند کہ در سرزمین قدر و منزلت، صاحب اختیار و مالک رَقبہ ها و خداوندگردن وهمہ جن وانس و فرشتگان است:

ای شهنشاهی کہ در اقلیم قدر و منزلت

جن وانسان و ملک را گشتہ (ای) مالک رقاب

(همان)

درباره حلم و بردباری حضرت علی سخن بسیار رفتہ است وداستان مشهور خُد واند اختن دشمن او در جنگ برروی او، وحلم وسراینده ی والا مقام ادب و عرفانِ فارسی نیز آنرا در مثنور معنوی بہ نظم درآورده است۔ (مثنوی، دفتر اوّل :''خدو انداختن خصم در روی امیر المومنین......'') اما ناطق، حلم علیرا تا بدان پایہ می داند کہ می گوید حلم تو بدان اندازه است کہ اگر حلم تو بر عرش برین سایہ اندازد، فلک مانند دو سنگ آسیا برهم می چسبند واین توصیف ناطق گواهی

برنهایت اخلاص ورزی او به حضرت علی ابن ابی طالب تواندی بود.

لنگر اندازد اگر حلم تو بر عرش برین
نه فلک چسبند برهم چون دو سنگ آسیا

(جوهر معظم، ص ۵۰)

رستاخیزی داند و به این شفاعت سخت امیدی دارد:

یا علی روز یکه صحرای قیامت بهر خلق
تابه تفسیده گردد ز تاب آفتاب
عاشق از معشوق و مادر از پسر نارد بیاد
چشم غمخواری ندارد هم پسر از مام و باب.....
تو در آن ساعت رسی بهر شفاعت بر سرم
عفو جُرمم خواهی و بخشی نجاتم از عقاب
دست من گیری و باخود جانب کوثر بری
تازه گردانی روانم رابه یک جام شراب

(جوهر معظم، صص ۵۱و۵۲)

ناطق بابیان این همه اخلاص و اشتیاق به علمی مرتضی در پایان اعتراف وآرزو می کند که:

یا علی مدح تو سنجیدن نه حدّ ناطق ست
گر چه سنجیده ست در مدحت همه لُب لِباب

یاعلی ناطق ندارد جز تو کس فریاد رس
ای توام فریاد رس امروز و هم روز حساب
تابود جان در تن و هم بعد جان رفتن زتن
باد در خاک نجف جایم به حق بو تراب

(همان۔ص۵۲)

ناطق درمیان اشعار نسبتاً کمی که از او مانده است سه قصیده نسبتاً مفصّل درباره حضرت علی دارد که نخستین با ۶۳ بیت و عنوان ''قصیده درمنقبت'' وبا مطلع زیر آغاز می گردد:

آنچه موسی دید درسینا ببینی بی حجاب
سر مه چشمت شود گر خاک پای بوتراب

(همان۔صص۴۹،۵۲)

دومی با۳۳ بیت که تنها عنوان ''منقبت'' دارد به مطلع زیر است:

آماده شو بجایزگی روضه جنان
اینک زدم به منقبت شاه انس و جان

(همان۔ص۸۰)

سومی نیز که با۳۳ بیت تنها عنوان ''قطعه'' رادارد، با مطلع زیر آغاز می گردد:

ای آ نکه از مشیمه تقدیر زاده است
بخت تو با سعادت کونین توامان

(همان، ص ۸۲_۸۴)

واژه ها و ترکیبات و تعبیراتی که ناطق برای مولای متقیان بکار می برد نیز دلیلی بر نهایت خلوص و اعتقاد راستین او به علی است۔

ای جامع الفنون که کمین طفل مکتبت
از تو خطاب یافته علامه زمان
ویرانی صنمکده کفر را کفیل
محکم اساس مُحرم شرع را زمان
نتوان به پاک طینتیت یافتن کسی
بیز ند خاک آدم اگر بهر امتحان
ژوقت ز سوز سینه موسیٰ دهد خبر
رایت ز شمع وادی ایمن دهد نشان

(جوهر معظم، ص ۸۲و۸۳)

درخور توجه اینکه ناطق مکرانی با همه فروتنی و خضوعی که در برابر حضرت علی دارد، خود را آزادی می داند که خادم فلان و مخدوم بهمات نیست و این تواضع آن چنان است که حتی بیان وصف و نعمت علی را نیز برای خود گستاخی می داند:

گستاخی سپاس شمایم ز حد گذشت
اُنموذ جی ز حال خود اکنون کنم بیان
من کیستم به کُنج قناعت نشسته ای
در بسته ای به روی تمنای این و آن
آزاده ای زقید تعلق ر میده ای
نه خادم فلان و نه مخدوم بهمدان......
گرنان به عزتم نرسد خاک منی خورم
در یوزه گر نیم، که دهم آ برو به نان

(همان۔ص۸۳)

از ویژگیهای اخلاص نیکوی ناطق این است که خود را مدحت سرای سفلہ گان نمی داند و سرودن شعر را جز دو مناقب اسد اللہ و آل او روا نمی دارد:

توفیق من مباد که مدحت سرا شوم
مشتی سفیه را به سماجت چو سفلگان
جز در مناقب اسد اللہ و آل او
قطعش کنم اگر متحرک شود زبان
ناطق به وقت نزع بگو یا علی مدد
من ضامن از لب تو اگر بر نگشت جان

(همان)

کتابنامہ

۱۔انعام الحق کوثر۔شعر فارسی در بلوچستان۔راولپندی: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان،۱۳۵۳۔

۲۔محمد ابراھیم مخدوم لیل تتوی۔تکملہ مقالات الشعراء،تصحیح پیر حسام الدین راشدی،کراچی۔انجمن ادبی سند،۱۹۵۸۔

۳۔اردو دایرۃ المعارف اسلامیہ،حرف ''نون''

۴۔گل محمد خان ناطق مکرانی: جوھر معظم با مقدمہ ی دکتر انعام الحق کوثر،کوئٹہ بلوچی آکادمی،۱۹۶۹۔

۵۔مولوی،جلال الدین محمد،مثنوی معنوں،دفتر اول۔

ناطق مکرانی

پروفیسر شرافت عباس

نگری نگری پھرا مسافر گھر کا رستہ بھول گیا

ناطق مکرانی کو تین امتیازات ایسے حاصل ہیں جو بلوچستان سے تعلق رکھنے والی کسی ادبی شخصیت کے حصے میں شاید ہی آئے ہوں۔

ناطق بلوچستان سے تعلق رکھنے والا پہلا قلم کار ہے۔ جس نے صرف اور صرف قلم کو وسیلہ ظفر بناتے ہوئے، سینکڑوں نہیں ہزاروں میلوں کا سفر اُس زمانے میں اختیار کیا جب ہوائی جہاز اور ٹرین تو کجا بس اور موٹر کا بھی دور دور تک پتہ نہ تھا۔

ناطق کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ اس نے مکران جیسے دور افتادہ علاقہ سے نکل کر برصغیر کے اس دور کے تمام اہم علمی و ادبی مراکز میں علماء و اساتذہ معاصرین کی صف میں جگہ پائی اور نہ صرف یہ بلکہ اس زمانے کے چلن کے مطابق سرکار و دربار میں قابل ذکر مقام حاصل کیا۔

اور ایک اور امتیاز..... جی ہاں میں اسے امتیاز ہی کہوں گا..... اُسے یہ بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے وقت کے نابغۂ روزگار، مرزا اسد اللہ غالب کا نہ صرف کئی برس تک ہم صحبت اور ہم نشین رہا بلکہ (کم از کم ایک موقع پر) اُن کے فارسی کلام پر گرفت بھی کی۔

ناطق کا نام گل محمد تھا، تذکرہ نگاروں نے انہیں کہیں میاں گل محمد کبھی مرزا گل محمد اور کبھی مولانا گل محمد ناطق مکرانی کے نام سے یاد کیا ہے۔ بلوچستان کی ایک غیر ادبی تاریخ میں انھیں سید کہا گیا ہے۔ا

ا۔ بلوچوں میں سادات کا ہونا کوئی بعید از قیاس بات نہیں تاہم مکران کے بارے میں گزشتہ تقریباً ڈیڑھ دو سو سال قبل کی تواریخ اور تذکروں میں ناطق کا تعلق اس در سے ہے یہ غیر مشخص اور غیر نمایاں نظر آتے ہیں۔ عبدالغنی بلوچ کے مطابق

۲. اس حوالے سے سادات کے سلسلے کا سراغ ذکریوں کے مذہبی پیشواؤں میں ملتا ہے۔

(زکری پیشواؤں کے شجرہ نسب کے ضمن میں جو قدیم قلمی کتب، زکری فرقے کے مرشد خاندان کے پاس دستیاب ہیں ان میں ملائی یا مولائی خاندان میں بعض موسیٰ زئی، عیسیٰ زئی، کیازئی یا شیخ خاندان سے تعلق رکھتے

ہیں یہ سب کے سب حسینی سید ہیں)

(عیسیٰ زئی اور موسیٰ زئی، ملا خاندان کا جد امجد تویں پشت میں ملاداد چراغ کا سلسلہ نسب حضرت نعمت اللہ ولی سے ہوتا ہوا سید امام زین العابدین ابن سید الشہد امام حسین ابن حضرت علی کرم اللہ وجہ سے جا ملتا ہے۔.....(تاالخ) ۴

اس پس منظر میں یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ ناطق کا تعلق ذکری فرقے سے تھا لیکن Mehdi Movement in India کے مصنف کا یہ بیان ان کے ذکری ہونے کی واضح تردید کرتا ہے۔

The Dhikris have contributed much to the Persian and Balochi literature, with the exception of Natiq Makrani all the prominent persian poets of Makran were 5 Dhikris.

اگر ناطق سید نہیں تھے تو ان کا تعلق بلوچوں کے کس قبیلے سے تھا؟ تمام ادبی تذکرے اور تواریخ اس بارے میں خاموش ہیں۔ خود ناطق کا کلام بھی اس گرہ کو کھولنے میں مدد نہیں دیتا۔ غالب جن سے انکے تعلقات پہلے

اچھے اور بعد میں کشیدہ ہو گئے تھے۔ (وجہ آگے آئے گی) انہیں سندھ کا بلوچ کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ میر غلام حسین قدر بلگرامی کے ایک خط کے جواب میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

خروش رعدغراں میشود پادر رکاب از بیم
عنان بر سینہ چون پیچد کرنگ برق جولانش

یہ شعر ناطق کا ہے اور ناطق بلوچ سندھ کا رہنے والا ہے۔ اس کی منطق کیا اور اس کی زبان کیا ہے۔ غالب کی نفسیات کو دیکھتے ہوئے ہمارے اس موقف کی مزید تائید ہو جاتی ہے کہ ناطق سید نہیں تھے۔ اگر وہ سید ہوتے تو غالب جو سادات کا غیر معمولی احترام کرتے تھے، ناطق کے بارے میں ایسی غیر محتاط زبان استعمال نہ کرتے۔ (۷)

غالب کی نفسیات کے حوالے سے ہی ہم ناطق کے توطن کا بھی کافی وشافی انداز میں تعین کرتے ہوئے ان لوگوں کی غلط فہمی دور کر سکتے ہیں جن کا خیال ہے کہ ناطق ایرانی مکران کے باشندے تھے۔ فارسی کے معاچلے میں غالب کی ایران وتوران پسندی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ دیکھا جائے تو ہنگامہ دل آشوب جس میں برھان قاطع برھان، موید البرھان اور تیغ تیز جیسی کتابیں معرض وجود میں آئیں اور جس کے دوران علم وفضل کے نہ

جانے کتنے عماموں کے بیچ کھل گئے تو اس کے پیچھے بھی غالب کی یہ
نفسیات کارفرما تھی۔ ہر چند کہیہ ہنگامہ ناطق کی وفات ۱۸۴۸ کے بارہ سال
بعد آغاز ہوا لیکن ناطق کے شاگردوں نے اس میں بھرپور حصہ لے کر اُستاد
کی طرف سے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ (۹)

بہر حال اس موقع پر جب مولوی احمد علی اصفہانی ثم کلکتوی نے
غالب کی رد میں موید البرھان لکھی تو غالب نے تیغ تیز میں جو قطعہ شائع کیا
وہ ہمارے موضوع کے حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخہ ء
در خوصوصی گفتگوی پارس انشا کردہ است
کیچ مکران را کہ در سند است و از ایران جدا
شامل اقلیم ایران بے محابہ کردہ است

(۱۰)

غالب کے ایک شاگرد مولوی سیف الحق دھلوی نے تذکرہ منتخب
الطائف کے حاشیے پر ناطق کے بارے میں جو تحریر کیا ہے اس سے بھی ناطق
کے کیچ کے متوطن ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''مرزا ناطق مردی از کیچ مکرانہ بلوچستان است، طبع نازک و ذہن

رسامی دارد....." (تاالخ) (۱۱)

کیچ مکران سے گل محمد ناطق کب نکلے وہاں ان کا ذریعہ معاش کیا تھا کہاں پڑھے لکھے ان کے خاندانی کوائف اور دیگر تفصیلات..... ہم انکے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

ہم سب سے پہلے انہیں سندھ میں دیکھتے ہیں اس وقت وہ صرف گل محمد خان تھے اور شاعری میں وہ کبھی اپنا نام اور کبھی دلخوش تخلص کرتے تھے۔

گل محمد عمل تُست دعا گفتن و بس
بکند، ورنکند، باش زبس گفتاری

(۱۲)

گل محمد خان کی شخصیت اور سندھ میں ان کے شب و روز کے بارے میں مخدام ابراہیم خلیل تکملہ مقالات الشعرا میں یہ معلومات فراہم کرتے ہیں۔

"دلخوش جامع کمالات، حاوی حسنات اور عربی فارسی میں فائق اور رائق تھا۔ میاں گل محمد نام تھا مکران وطن اور دلخوش تخلص تھا۔ حافظ بلا کا تھا۔ شرح وقایہ نصف سے زیادہ ازبر زبان تھی اور ہدایہ بھی چوتھائی سے زیادہ

از بر تھی۔ لاتعداد اشعار حافظے میں محفوظ تھے اور علم مجلسی میں کسی کو مجال نہیں تھی کہ اس کا ہمدوش ہو سکے..... الغرض ایک..... عجوبہ روزگار شخص تھا۔"

گل محمد خان مکرانی کی سندھ میں آمد اور اس کے اسباب پر نظر ڈالتے ہوئے پیر حُسام الدین راشدی لکھتے ہیں۔

"گل محمد خان کا مکران سے نکل کر سندھ میں آ جانا نہ ترک وطن کی تعریف میں آتا ہے اور نہ اس کو غریب الوطنی کہا جا سکتا ہے ایک خانہ تھا تو دوسرا گویا صحن خانہ۔ ہمارے خیال میں گل محمد نے وطن کو کلیتاً خیر باد نہیں کہا تھا۔ بلکہ ہندوستان جب تک نہیں گئے اس وقت تک سندھ میں آنا جانا رہتا ہوگا۔ بلکہ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مکران کی فضا انکے علم زوق اور ادبی انجمن آرائی کیلے چونکہ کم گنجائش رکھتی تھی اس لئے وہ اپنا زیادہ وقت سندھ ہی کے علما اور شعرا کے ساتھ بسر کرتے تھے۔" (۱۴)

مخدوم خلیل کے تذکرے سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ میں گل محمد ناطق کی مجلس آرائی کے تین مرکز تھے..... ٹھٹہ..... حیدر آباد اور مٹیاری یہی تینوں شہر اس وقت علم و فضل کے اہم مراکز تھے۔

ٹھٹہ میں مخدوم ابراہیم خلیل کے والد حضرت دائم الصوم مخدوم عبدالکریم ثانی کے ساتھ گل محمد کے گہرے مراسم تھے اور اس وجہ سے ٹھٹہ کے

قیام کے دوران زیادہ تر وقت حضرت دایم الصوم کے آستانے پر ہی گزارتا تھا۔ ابراہیم خلیل کے بیان سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں میں حد درجہ موانست تھی اور اس کا ایک سبب روحانیت اور طریقت کے اشتراک کے علاوہ فارسی شعر گوئی کا مشغلہ بھی تھا۔ خلیل کے والد بھی فارسی میں شعر کہتے تھے اور کرم تخلص کرتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ ان میں جو خوش صحبتی اور مجلس آرائی کا رنگ ہے وہ گل محمد خان ہی کے فیض صحبت کا نتیجہ اور کرشمہ ہے۔ دلخوش تخلص بھی ناطق کی اس خصوصیت کا آئینہ دار ہے۔ (۱۵)

ٹھٹہ کے بعد حیدر آباد گل محمد ناطق کی خوش صحبتی کی بنا پر میر صاحب نے ہی ان کو دلخوش تخلص عطا کیا) گل محمد ایک روپیہ یومیہ میر صاحب کے دربار سے پاتے تھے۔ (۱۶)

ٹھٹہ اور حیدر آباد کے بعد ان کی آمد و رفت کا سلسلہ سندھ کے ایک اور علمی شہر ٹیاری میں زیادہ تھا۔ ٹیاری میں استاد زمان علامہ دوراں میاں عبدالکریم بن بحر العلوم میاں عثمان متعلوی سے ان کا قلبی ربط و ضبط تھا۔

قیام ٹیاری کے دوران پیش آنے والے ایک واقعہ سے گل محمد خان کی نازک طبعی (جس کے طرف سیف الحق دھلوی شاگرد غالب نے بھی اشارہ کیا ہے) کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ واقعہ کچھ اس طرح سے ہے

کہ ایک دفعہ نان ونوش کے سلسلے میں گل محمد سخت برہم ہوئے۔ غالباً کسی نے بے توجہی سے جواری کی روٹی کھلا دی جو سندھ کے عوامی طبقے کی عام غذا ہے لیکن بڑے لوگوں کے دستر خواں بھی اس سے خالی نہیں رہتے۔ گل محمد نہ جانے اس پر یا کسی اور بات پر ناراض ہوئے اور مٹیاری کی ہجوم میں پوری غزل کہہ دی جس کا ایک شعر خلیل کے تذکرے میں محفوظ ہے۔

آ بروگر طلبی آ ب مٹیاری مطلب
لقمہ چرب بجز نان جواری مطلب

خلیل تتوی کے خلا مخدوم عبدالغفور نے جب یہ شعر سنا تو اس کی ردیف..... مطلب..... کی بجائے..... بطلب..... کر کے معنی بدل دیا لیکن علامہ دوران میاں عبدالکریم متعلوی کو اس کا بہت رنج ہوا۔ ان کے اپنے ہی شہر کی آبرو و آب پر پانی پھر گیا تھا۔ گل محمد کو جب معلوم ہوا تو علامہ کی گرانی مزاج دور کرنے کی خاطر اس نے مٹیاری کی تعریف میں غزل کہی جس کا مطع تھا:

طرفہ شہر لیت مٹیاری کہ بسامان گردد
خالی از شوروشر و فتنہ دوران گردد

(۱۷)

ناطق کے سندھ میں قیام کے بارے میں ملنے والی ان تفصیلات سے جو نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔

ا۔ ناطق اس وقت تک ایک عالم و فاضل کی حیثیت سے معروف ہو چکے تھے۔

۲. اس وقت ان کی شاعرانہ حیثیت کو اعلیٰ سطح پر تسلیم کیا جاچکا تھا۔

۳. وہ ایک خوش مزاج اور علم مجلسی سے آراستہ و پیراستہ شخصیت کے طور پر بھی معروف تھے۔

۴. ان کا رجحان طریقت، تصوف اور خانقاہی ماحول کی جانب تھا۔

۵. وہ ایک نازک طبع شخص تھے اور خلاف مزاج وقوع پزیر ہونے والی کسی بات پر اپنے دل کا غبار ہجو لکھ کر نکال سکتے تھے۔

۶. علماء شعرا اور صوفیا کی محفلوں کے علاوہ سرکار و دربار میں بھی ان کی رسائی تھی اور کم سے کم سندھ کے ایک حکمران (میر صوبیدار تالپور) کے دربار میں ان کی خاصی پزیرائی اور قدر و منزلت تھی۔

۷۔ دربار سے ان کا روزینہ ایک روپیہ مقرر تھا جو اس زمانے کے لحاظ سے یقیناً ایک معقول رقم تھی۔

ان نکات کی روشنی میں نظر آتا ہے کہ سندھ میں بظاہر کوئی تکلیف نہ

تھی تو پھر سندھ سے ان کی ہجرت کا کیا سبب تھا؟ اس سلسلے میں خلیل نے کہا ہے۔

''بسکہ عالی ہمت بود، روپیہ روزینہ را ہم گزاشتہ بہ ہندوستان رفت، درآنجار رفعی عالی پیدا کرد۔''

راشدی نے مختلف سنوں اور تاریخوں کی تطبیق کے بعد ناطق کی سندھ سے روانگی کا سن ۱۸۳۰ کے لگ بھگ مقرر کیا ہے اور سبب ہجرات کے بارے میں قیاس ظاہر کیا ہے کہ

''ان کے یہاں سے جانے کا..... معاملہ دیگر نا معلوم اسباب کے بظاہر ایک سبب یہ بھی ہوگا کہ اس وقت سندھ میں انگریز کا عمل دخل بڑھ رہا تھا سیاسی فضا پر غلامی اور نکبت کے تاریک بادل بڑی تیزی کے ساتھ چھا رہے تھے اطمینان وسکون راحت اور راحت طلبی، خوش صحبتی اور مجلس آرائی..... جس کے گل محمد ناطق دلدادہ تھے اس سرزمین سے آہستہ آہستہ مفقود ہوتی نظر آ رہی تھی۔ غالباً گل محمد خان نے گھٹن اور تنگی نفس محسوس کی اور وہ اس طرف نکلے جس کے متعلق ان کو غلط خوش فہمی تھی ہ وہاں آسماں صاف اور وہاں کی فضا میں گھٹن نہیں ہوگا حالانکہ جو گھٹن سندھ کی فضا کو مسموم بنا رہی تھی وہی قوت ہندوستان کے رگ وریشہ میں اس زہر کی گھلاوٹ کر رہی تھی۔

(۱۹)

یہاں راشدی کا اندازہ درست نہیں معلوم ہوتا۔ ناطق نہ تو سیاست دان تھے اور نہ مصلح اور نہ ہی اتنے بے خبر کے اردگرد کے ماحول سے لاتعلق ہوں۔ ان کے عالمانہ تبحر اور مطالعات کے علاوہ سرکار و دربار سے بھی وابستگی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ برصغیر کو تیزی سے اپنی لپیٹ میں لیتے ہوئے نوآبادیاتی نظام کے وجود سے غافل نہ رہے ہوں گے۔

گزشتہ سطور کی روشنی معروضی اور موضوعی جہتوں کو سامنے رکھتے ہوئے سندھ سے ان کی مہاجرت کے تین اسباب ہو سکتے ہیں۔

ا۔ ان کی نازک مزاجی دوسرے ان کی الوالعزمی اور خوب سے خوب تر کی تلاش اور تیسرا غریب الوطنی کا احساس۔

سندھ کو کتنا ہی مکران سے متصل کہا اور سمجھا جائے لیکن وطن بہر حال وطن ہوتا ہے چنانچہ ناطق جیسے حساس، اولوالعزم اور خوب سے خوب تر کی جستجو کرنے والے نے اگر یہ سوچ لیا ہو کہ:

جب میکدہ ہی چھٹ گیا پھر کیا جگہ کی قید
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

تو عجب نہیں!

چناچہ ہندوستان پہنچ کر وہ سندھ کو نہیں مکران کو یاد کرتے ہیں!

صبا از جانب ناطق سلامی خاک مکران را
کہ من چوں غنچہ دل، در گلشن ہندوستان بستم

(۲۰)

اور خوب سے خوب تر کی جستجو ان کے ان اشعار سے ظاہر ہوتی ہے۔

یاد آن روز کزاند وہ بدم فارغ بال
بودا زبادہ عشرت قدحم مالامال
یاد آن روز، کہ چرخ بمن کج نگریست
غضب آلودہ زد انگشت بچشمانش ھلال
من ترقی طلبیدم، تو تنزل دادی
شرم باد از منت، ای چرخ نکو ہیدہ خصال
گاہ درنالہ ام ازدرد گرفتاری خوش
گاہ درگریہ ام، از فرقتِ اطفال و عیال

(۲۱) (تاالخ)

ان اشعار سے ہمارے موقف بالا کی تائید مزید ہوتی ہے۔
سندھ سے ناطق کی روانگی کا اندازہ ۱۸۳۰ کے لگ بھگ لگایا گیا

ہے اور ان کے دہلی کے قیام کا عرصہ ۱۸۳۱ سے ۱۸۳۳ کے اواخر یا ۱۸۳۴ء کے اوائل تک بنتا ہے کیونکہ لکھنو سے ناطق نے غالب کو جو خط تحریر کیا ہے (اور اب تک کی تحقیق کے مطابق یہ واحد خط ہے جو ناطق کی طرف سے غالب کے نام لکھا گیا)۔

وہ ۱۸۴۵ء کے اوائل میں لکھا گیا اس میں اپنے لکھنو کے قیام کے بارے میں رقم طراز ہیں (کم وبیش دس سال سے اس علاقے میں مقیم ہوں)

غالب کے نام ناطق کے اس مکتوب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ناطق تقریباً ڈھائی تین سال تک دہلی میں مقیم رہے اور اس دوران ان کے غالب کے ساتھ مراسم اس حد تک گہرے تھے کہ غالب نے اپنا دیوان مستقلاً ناطق کی تحویل میں دیا ہوا تھا۔ نیز یہ بھی کہ غالب نے جب اپنا دیوان واپس مانگا تو ناطق نے (یہاں ناطق کی روایتی شاعرانہ نازک مزاجی پیش نظر رہے) اس کو از حد محسوس کیا اور غالباً یہی چیز بعد میں انقطاع تعلقات کا باعث بنی۔

اسی مکتوب میں ناطق نے (درد وداغ) کے اس شعر میں اعتراض وارد کیا۔

خوک شدو پنجہ زدن ساز کرد
باسر ورد عربدہ آغاز کرد

غالب نے جوابی مکتوب میں ناطق کے اس اعتراض کو درست تسلیم

کیا لیکن مکتوب کی عبارت بین السطور اسی نازک مزاجی کا پتہ دے رہی ہے جو دیوان کے سلسلے میں ناطق کے مکتوب سے متشرح ہے۔ (ناطق کا خط اور غالب کا جواب دونوں کا اردو ترجمہ حاشیئے میں دیا جا رہا ہے)

غالب کی طرف سے دیوان کی واپسی کا تقاضہ..... اور ناطق کی طرف سے غالب کے شعر پر حرف گیری..... دونوں کے مراسم کے خاتمے پر منتج ہوتی ہے اور شاید ناطق کے عین حیات دہلی سے ان کے رابطے کے انقطاع پر بھی (ہر چند کہ دلوں میں پڑ جانے والے یہ پھپھولے ہنگامہ دل آشوب میں غالب اور ناطق کے شاگردوں نے خوب ہی خوب پھوڑے)۔

ناطق ۱۸۳۴ء میں لکھنو پہنچے۔

دہلی سے لکھنو منتقلی بھی ان کے اسی جزبے کے تحت نظر آتی ہے جس کا ذکر ہم نے ان کی سندھ کی ہجرت کے بارے میں کیا ہے یعنی خوب سے خوب تر کی تلاش اور ارلوالعزمی..... لیکن اس مرتبہ اس میں فکر معاش بھی شامل تھی۔

ناطق کا خط غالب کے نام

مرقومہ جنوری ۱۸۴۵ء از لکھنو

بنام اسد اللہ خان دہلوی عرف مرزا نوشہ:

ای آنکہ بری نامہ من! روبقفا کن
صد قافلہ رشک ببین بر اثر خود

چونکہ جناب والا کی ملاقات کا شوق اس قدر ہے کہ جس کا بیان لفظوں میں نہیں سما سکتا اس لئے چارناچار اپنے حالات سنا کر سمع خراشی کرتا ہوں۔ کم وبیش دس سال سے اس علاقے میں مقیم ہوں۔ لیکن جو عجیب طور و طریقے یہاں کے لوگوں کے دیکھنا پڑے ہیں خدا کسی کافر کو بھی اس سے دوچار نہ کرے۔ یہاں کے خواص اور عوام میں بہت کم کوئی شخص ایسا نکلے گا جو میرے نام یا شخصیت سے واقف نہ ہو بلکہ جب سے میں یہاں آیا، اس وقت سے اب تک مجھے مسلم الثبوت استادوں میں سمجھا جاتا ہے۔ جو کچھ الٹا سیدھا کلام میرے نامربوط قلم سے نکلتا ہے بڑے شغف کے ساتھ صحبتوں میں اس کا چرچا ہوتا ہے اور جو بھی نواب یا وزیر اس سرکار میں برسرکار ہوتا ہے وہ میرے فضل کمال سے متعلق ایسی ایسی باتیں بادشاہ وقت سے کہتا ہے جو درحقیقت مجھ میں نہیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جو کچھ دال دلیا میرے پاس دہلی میں تھا وہی (یہاں بھی) ہے۔

چند روز قبل میرے منشی نے ارکان دولت امیری کے مشورے سے

میری درخواست جو تقرر وظیفہ پر مشتمل تھی بادشاہ کی خدمت میں پیش کی
میری سرپرستی کیلئے پرزور سفارش کی اور مصاحبین نے بھی کلمات خیر
میری موافقت میں نہایت خوش اسلوبی سے تائید کی۔ بادشاہ نے تمام تقریر
اور تحریری معروضات سن کر اور دیکھ کر میری درخواست کو حکم شاہی سے حر
فرما کر سعید الدولہ کے پاس بھیج دی جو اس وقت عامیانہ بزلہ سنجی کی بد
ایسے بلند مقام پر فائز تھا کہ تمام کہ تمام بس وہی وہ تھا اور باقی سب ہیچ تھے
مگر اس بندہ خدا نے سابقہ جان پہچان اور صاحب سلامت کے باوجود اپنی
فطرت خباثت سے دانستہ طور پر غفلت برتی یہاں تک کہ میں ان حالوں کو
پہنچ گیا۔

بس تجربہ کردم کہ درین دہر مکافات
بادرد کشاں ہر کہ درافتاد، برافتاد

آج کل پھر حکام شاہی نے یہ مشورہ دیا ہے کہ ایک اور عرضی جو
مضمون سابقہ پر مشتمل ہو پھر بادشاہ کے سامنے پیش کیا جائے مگر میری
مصلحت یہ ہے کہ خام امیدوں کے اس سبز باغ سے نظر بند کر کے انتہائی
ناکامی کی حالت میں توفیق الٰہی کے پر لگا کر اس دیا آلام و مصائب کے
اڑوں اور اس پُر بہار سرزمین میں پہنچ کر دم لوں اور چند روز جناب رفتگی

شفیق کی زیارت سے آنکھوں اور دل کیلئے نور اور سرور بہم پہنچا کر وہاں سے:

بشہر خود روم و شہر یار خود باشم

کیا عرض کروں کہ آنجناب سے جو کہ ظاہری اور باطنی خوبیوں کا مجموعہ ہیں۔ شرف ملاقات حاصل کرنے کا شوق کس حد تک ارادت مند دل میں ہے۔ ان چند برس کے دوران عریضہ لکھنے میں جو دانستہ غفلت برتی اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ قیام دہلی کے دو تین سال کے اندر آپ نے اپنے دیوان بلاغت بیان کا مسودہ کئی بار مجھے عطا فرمایا اور میں نے اپنی سادہ لوحی سے آپ کے قول پر اعتماد کر کے اسے نقل نہ کیا (اور عطیہ سمجھا) انجام کار رخصت کے وقت جب میں نے تقاضے کیلئے لب کشائی کی تو آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے ایفائے وعدہ سے گریز فرمایا اور اس خیال سے پہلو تہی کی کہ یہ شخص جہانیاں جہاں گشت ہے جب کسی دوسرے ملک میں جائے گا تو عجب نہیں کہ غالب مٹا کر اس کی جگہ ناطق لکھ دے۔ افسوس صد افسوس! میں اور ایسی حرکت؟

اب اس بدگمانی کی تلافی جو مجھ خیر اندیش کے بارے میں کی گئی ہے صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ میرے اس مخلصانہ عریضے کے ملاحظہ کے وقت تک جو کچھ نظم و نثر کہی اور لکھ گئی ہے سب کی سب ڈاک کے ذریعے

میرے پاس بھیج دیئے جائیں تا کہ میں اس تعویز کی طرح اپنی جان کے ساتھ رکھوں اور اس علاقے کے سخن شناسوں کو دکھاؤں اور سناؤں۔ اس شہر میں ایک شخص مشہور چھاپ خانے کا مالک ہے۔ اور نیاز مند سے اس کے خاص تعلقات ہیں۔ میں نے اسے آمادہ کیا ہے بہت ممکن ہے کہ کلیات پہنچتے ہی وہ اسے چھاپ دے۔ تکلف برطرف! تہہ دل سے میری یہ خواہش ہے کہ بارالہا! جب غالب اپنا کلیات میرے پاس بھیج دے اور اس کے فورا بعد شعر نہ کہنے کی قسم کھالیں تا کہ میرے دل میں یہ خلش نہ رہے کہ کلیات بھیجنے کے بعد انھوں نے جو کچھ کہا وہ مجھ تک نہیں پہنچا اور ہاں! مثنوی اور دوداغ کے اس شعر میں:

خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد
با سرو رُو عربدہ آغاز کرد

کاتب نے پنجہ ایک لفظ لکھا ہے یہ کیا لفظ ہے؟ اگر پنجہ ہے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سور کا سم ہوتا ہے پنجہ نہیں ہوتا۔ اگر پنجہ سے ملتا جلتا کوئی لفظ ہے یا شعرا کے نزدیک سم کی جگہ پنجہ بھی بولا جاسکتا ہے تو اس سلسلے میں مطع فرمایئے تا کہ میں حقیقت حال کو سمجھ سکوں۔

اللہ عمر خضر عطا فرمائے۔

غالب کا جواب

فروری ۱۸۴۵ء از دہلی

لایعنی گو غالب کی طرف سے خوش لہجہ ناطق کو سلام! گویا خمار کی طرف سے نشہ کو سراب کی طرف سے دریا کو ناچیز کی طرف سے چیز کو اور عدم کی طرف سے وجود کو تسلیم!

محبت بھرے خط کا پہنچنا مجھے مبارک! اور اس مبارک کا بیان اندازہ تحریر سے باہر! جناب کا میرے پاس خط بھیجنا ایسا ہے جیسے مزار پر پھول بکھیرنا۔ یقیناً خط پہنچنے کی خوشی اتنی تازگی کے ہم وزن ہے جس کی بدولت جسم سے نکلی ہوئی روحوں کو اس جہان باقی میں روحانی تحفہ میسر آئے۔ میں وہ غالب نہیں رہا جو مسلسل شعر کہتا تھا اور متواتر آراستگی کلام کی بندشوں میں پھنسا رہتا تھا نہ وہ غالب ہوں کہ اگر پانی سے زیادہ شراب نہ ملتی تھی تو غم سے

خون روتا تھا اور غصے سے خون پیتا تھا۔ بلکہ وہ غالب ہوں کہ میرا جسم دل سے زیادہ خستہ اور دل محبوبوں کے وعدے سے زیادہ شکستہ ہو چکا ہے۔ آنکھ درد کی سرخی سے خون بھرے پیالے کے مانند اور جسم داغوں کی باعث سرو چراغاں سے مشابہ ہے ایک طرف جوڑ جوڑ میں درد رہتا ہے۔ دوسری طرف خون دل کے ہر ٹکڑے میں کھولتا ہے۔ مختصر یہ کہ ابھی بہار کے بعد خزاں آ ہی رہی تھی کہ زندگی کے درخت میں موسم برگریز آ پہنچا..... تو مہینے..... جو کہ جسم کے اجزائے عنصری کی ترکیب کی مدت ہوتی ہے۔ ناسازگاری اور بیماری میں گزرے اور اس عرصے میں جسم بستر سے اس طرح جدا نہ ہو سکا جیسے کہ تصویر پارچہ دیبا سے کہ کہو دن گزار اور وقت انجام پزیر ہوا۔ یکا یک اس دریائے خون سے مجھے کنارے پر لایا گیا اور ایسی حالت میں چھوڑ دیا گیا کہ نہ مردہ ہوں اور نہ زندہ۔

مردار بود ھر آنکہ اور انکشند

اس جگہ دوستوں نے میری خواہش کے بغیر ایک موقع بنایا ہے اور میرے تمام کلام قصیدہ قطعہ غزل اور مثنوی کو طبع کیلئے مکتب میں دے دیا گیا ہے جس وقت طباعت انجام کو پہنچے گی ایک نسخہ آپ کو بھیجا جائے گا۔

جو تامل آپ کے ایسے نقاد سخن کے ذہن میں پیدا ہوا ہے درست

ہے۔ اول جناب کی فیض رساں عبارت نقل کرتا ہوں اس کے بعد جواب لکھتا ہوں مخدوم نے یہ تحریر فرمایا کہ مثنوی درد و داغ کے ایک شعر میں کاتب نے پنجہ ایک لفظ لکھا ہے یہ کیا لفظ ہے؟ اگر پنجہ ہے تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ سور کا سم ہوتا ہے پنجہ نہیں ہوتا۔ اگر پنجہ سے ملتا جلتا کوئی لفظ ہے یا شعراء کے نزدیک سم کی جگہ پنجہ بھی بولا جا سکتا تو اس سلسلے میں مطلع فرمایئے تا کہ میں حقیقت حال کی سمجھ سکوں۔

غالب کا ایک شعر ہے۔

راست میگویم و یزدان پسند و جزار است
حرف ناراست سر دون روش اهرمن است

برش ذوالفقار اور جناب حیدر کرار کی ذات عالی کی قسم! کہ شعر کہتے وقت سور کے پاؤں کی صورت ہرگز میری نظر میں نہ تھی اگرچہ اس مخلوق الہٰی کو ویرانوں اور جنگوں میں اکثر دیکھا ہے۔ لیکن اس پر نگاہ نمائز نہیں ڈالی۔ خیال یہ تھا کہ سور کے بھی کتے اور بلی کی طرح کے پاؤں ہوتی ہوں گے اب آپ کی تحریر سے یہ بات واضح ہوئی کہ سور کے سم ہوتی ہیں پنجے نہیں ہوتے۔ کاش آپ کا گرامی نامہ کلیات طبع ہونے سے پہلے پہنچ جاتا تو اس مصرع میں پنجہ زدن کی جگہ بدنفسی بنا دیا جاتا۔ میں مطمئن ہوں کہ اس واقع سے میرے

دل کو رنج نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے کہ اگر بھول چوک ہوئی ہے تو درحقیقت سور کے پاؤں کی صورت حال جانے نہ جاننے میں ہوئی ہے۔ شعر گوئی کی روش اور اصول میں نہیں ہوئی۔ شاعر اگر سور کے پاؤں کی صورت حال نہ جانتا ہو تو اس سے اُسے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟

اگر چہ گفتگو کا ذوق یہ نہیں چاہتا کہ قلم اور کاغذ کو رکھ دوں اور خط کو ختم کروں لیکن چونکہ وہ بات جو کہنا تھی ختم ہوگئی اس لئے مجبوراً خط کو لفافے میں بند کیا جاتا ہے۔ واسلام۔

دونوں خطوط کا ترجمہ دود چراغ محفل سے لیا گیا ہے۔

ناطق کی دہلی سے لکھنو مراجعت بھی اس جذبے کے تحت نظر آئی ہے جسے ہم نے خوب سے خوب تر کی جستجو کا نام دیا ہے۔ یہاں اگر عرصہ زیر بحث کے دوران اور اس سے ذرا پہلے دہلی کی زبوں حالی پر نظر رکھی جائے اور میر کا یہ شعر بھی نظر میں رہے۔

وہی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
اس کو فلک نے لوٹ کے ویرانہ کر دیا

یا پھر مصرع: ہم نے یہ مانا کہ دل میں رہیں کھائیں گے کیا؟..... تو دہلی کی رونقیں ناطق تک دورِ جام کے آتے آتے لال قلعہ تک

محدود ہو کر رہ گئی تھیں اور اب وہاں بھی غالب کے مصرع فارسی بین تا بہ بین نقشہاے رنگ رنگ کی جگہ غالب ہی کے اس شعر نے لے لی تھی:

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکر ہو رشک فارسی
گفتۂ غالب اک دفعہ پڑھ کر اسے سنا کر یوں

تو ظاہر ہے ایسے میں ناطق کی فارسی کہاں تک ساتھ دیتی۔ پھر معروضی حالات بھی ان کے سامنے تھے۔ اہل علم وفن تیزی کے ساتھ دہلی سے لکھنو کا رخ کر رہے تھے۔ شاہان اودھ کی داد ودہش کی شہرت نے ناطق کو بھی امید کی کرن دکھای ور بالآخر وہ دہلی سے لکھنو کیلئے نکل کھڑے ہوئے اپنے اسی قلم کے ساتھ جس کے سہارے وہ مکران سے سندھ سے دہلی پہنچے تھے۔ مکران سے ناطق کی سندھ میں آمد اور دہلی سے ان کے لکھنو پہنچنے میں جو چیز خاص اہمیت رکھتی ہے۔ وہ تقاضائے سن ہے یعنی ناطق جب اپنے وطن سے سندھ میں وارد ہوئے تھے تو (ان کے سال وفات ۱۸۴۷ء کو ان کی عمر ستر متعین کی گئی ہے) جوان تھے اور جب لکھنو پہنچے تو ان کی عمر ستاون اٹھاون سے تجاوز کر چکی تھی۔ یہ عمر نئی راہیں اختیار کرنے اور طالع آزمائی کیلئے نئے نئے میدان تلاش کرنے کیلئے خاصی دشوار ہوتی ہے چنانچہ ایسا لگتا ہے کہ

ناطق نے لکھنو کو ساحل مراد قرار دیا اور یہیں مستقل پڑاؤ ڈال دیا لیکن یہاں بھی صورت حال

بہ ہر زمیں کہ رسیدیم آسمان پیداست

کی ماند تھی۔ قیام لکھنو کے دوران ناطق کی زندگی کے تین پہلو ہماری خاص توجہ کے مستحق ہیں۔

۱..... ناطق کی اقتصادی حالت

۲..... ان کی علمی وفنی قدر ومنزلت

۳..... عقائد میں تبدیلی کا مرحلہ

اقتصاد ومعاش کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہاں ان کی حالت دہلی سے بھی ناگفتہ بہ تھی۔ وہ اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود جن میں ہر بادشاہ کا قصیدہ، ہر موقع پر تہنیت اور ہر تخت نشینی پر مدح سرائی شامل ہے۔ التفات شاہی کے سزاوار نہ ہو سکے۔ واضح رہے کہ ناطق نے لکھنو کے چار بادشاہوں کے زمانہ دیکھا۔

۱..... ناصرالدین حیدر سلیمان جاہ

(تخت نشینی ربیع الاول ۱۲۴۳ھ اور وفات ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ھ)

۲..... محمد علی شاہ

(تخت نشینی ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ اور وفات ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ھ)

۳..... امجد علی شاہ

(تخت نشینی ۱۲۵۸ھ اور وفات مئی ۱۸۴۷ھ)

۴..... واجد علی شاہ

(تخت نشینی ۱۸۴۷ھ معزولی ۱۸۵۶ء اور وفات ۱۸۸۴ھ)

اس تمام عرصے میں انھوں نے کیا کیا ہوگا ان کے مجموعہ کلام (جوہر معظم میں جوانکے عزیز شاگرد جواہر سنگھ جوہر نے مشتے نمونہ از خرواری کے مصداق حق شاگردی ادا کرتے ہوئے مجتمع کیا تھا بادشاہوں اور اُمرا اور وساء کی شان میں قصائد کے علاوہ امام بارگاہوں کی تعمیر اور سنگ بنیاد کے موقع پر منظومات بھی ملتی ہیں لیکن با این ہمہ معاش ے روبہ بہبود ہونے کی کوئی سبیل نہیں نکلتی۔

نواب ضیا الدین خان بہادر اور منشی بہادر سنگھ کے نام مرقومہ خطوط سے اس صورت حال کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ۲۶

یہاں صرف منشی بہادر سنگھ کے نام ایک خط کی چند سطریں پیش کی

جاتی ہیں۔

(کسی چہ داند کہ بر سر این نیکس چہا میگزرد، یک طرف تلاش مایحتاج یومیہ
یک طرف تقاضائے بہبود قرض خاہان وخاصتہ ابرام گدایانہ صاحب، کہ چند
ماہ کرایۂ خانہ بر ذمہء فقیر دارد۔)

یہ اور اسی قسم کے دیگر خطوط ناطق کی معاشی بدحالی کے افسوس ناک واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ ایک رباعی سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ناطق نے ان معاشی پریشانیوں سے تنگ آ کر رمالی کا پیشہ اختیار کیا:

ناطق ! چو بلد، بدھر بد فال شدی
دوز از وطن و عیال و اطفال شدی
شاعر شدنت بہر فلاکت کم بود
کای خانہ خراب ! بازر مال شدی ۲۸

اس رباعی سے ان کی اقتصادی محرومیوں کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اکیلے ہی گھر سے نکلے تھے اور ان کے اطفال وعیال وطن ہی میں تھے۔

بہر حال شاہان وروسائے اودھ کی ہر طرح کی مدح سرائی کے باوجود ان کی مالی حالت سقیم ہی رہی ان کے عقائد میں قیام لکھنو کے دوران

ایک نمایاں تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے اور وہ تشیع کی جانب ان کا جھکاؤ ہے۔

ناطق جب تک سندھ میں رہے سنی العقیدہ تھے۔(۲۹)

ٹھٹہ، ٹیاری، حیدرآباد تینوں مقامات پر ان کی نشست و برخاست تصوف، خانقاہ اور میر صوبیدار تالپور کے دربار میں رہی جو خود اپنے دیگر بھائیوں کے برعکس سنی عقیدے کے حامل تھا۔ (۳۰) دہلی میں بھی ان کے عقائد کی تبدیلی کے بارے میں کوئی شہادت نہیں ملتی لیکن لکھنو میں ان کے کلام میں جا بجا اس قسم کے اشعار دکھنے میں آتے ہیں۔

آنچہ موسیٰ دید در سینا ببین بے حجاب
سرمہ ء چشمت شود گر خاک پائی بوتراب
یا علی مدح تو سنجیدن نہ حد ناطق ست
گرچہ سنجید ست در مدحت ہمہ لب لباب
روی من از بہر استمداد از ہر سو ہ تست
خلق روئی یاوری تابد گراز من گو بتاب
یا علی ناطق ندار و جز تو کس فریاد رس
ای توام فریاد رس امروز و ہم روز حساب
تابو جان در تن و ہم بعد جان رفتن زتن

بادور خاک نجف جایم بحق بو تراب
ناطق بوقت نزع بگو یاعلی مدد
من ضامن غاز لب تو اگر برنگشت جان
از چہ ناطق نکند دعویٰ شاہنشاہی
کہ گدائی در سلطان خراسان باشد ۳۱

ان امور سے قطع نظر علم وفن کے میدان میں ان کا پرچم پوری آب و تاب کے ساتھ لہراتا نظر آتا ہے۔ تذکرہ نویس ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ شعرا ان کے کلام کو حوالے کے طور پر پیش کرتے ہیں اور دربار اودھ کے نوابین اور وساء کے علاوہ دیگر اہل فن بھی ان کے حلقہ تلمذ میں شمولیت کو مایہ افتخار سمجھتے ہیں۔ صاحب شمع انجمن نے لکھا ہے کہ

''دران نزدیکی ان ان شاعری باین ذہن رسا وفکر آسمان پیما ازو لایت یہ این مملکت نرسیدہ است''

عزیز صفی پوری غالب کے شاگرد، مشہور شاعر اور کئی کتابوں کے مصنف تھے اپنی کتاب (پنج رقعہ ولایت) میں ناطق کا شعر اس طرح سند کے طور پر لائے ہیں۔

بترنم این نغمہء جانفزا سر خوش مرزا ناطق:

سو خت از پر تو دیدار کسی پیکر ما
بعد از ین چشم کلیم اللہ وفا گستر ما

دور دیس سے آنے والے اس شاعر نے ہندوستان اور خاص طور پر نستعلیق اور بانکے شہر میں اپنے آپ کو منوا کے چھوڑا۔ نہ فقط شاگردوں کا گروہ پیدا کیا، لکھنو کے فارسی شاعروں میں رنگ بھرا بلکہ کئی شعرا نے اس کی زمینوں کی اپنالیا۔ (۳۴)

ناطق جو گل محمد خان کی حیثیت سے مکران سے نکلے تھے۔ لکھنو تک پہنچتے پہنچتے مولانا اور مرزا بن گئے جو اس زمانے کی لکھنو میں اہل علم اور اساتذہ کیلئے احترام اور فضیلت کے القاب تھے چنانچہ صاحب خم خانہ جاوید نے انھیں انھی القاب سے یاد کیا ہے۔ (۳۵)

عام طور پر ناطق کے احوال و آثار سے متعلق کتابوں میں ان کے چار شاگردوں کا زکر ملتا ہے ایک تو ان کے شاگرد خاص منشی جواہر سنگھ جوہر لکھنوی جنھوں نے ہنگامہ دل آشوب میں استاد کی طرف سے شرکت کرنے کے علاوہ ان کا کلام جو کچھ میسر ہو سکا۔ جوہر معظم کے نام سے شائع کیا۔ ناطق مکرانی کی منظوم تاریخ وفات (ناطق مکران گل محمد خان) بھی ان سے منسوب ہے۔

دوسرے فارسی اور اردو کے معروف عالم شاعر مولوی احسن بلگرامی جو متعدد
ادبی کتب کے علاوہ لغت شاہجہانی، مصطلحات تحفہ حدیقیہ جیسی معروف
کتابوں کے مصنف اور خود ایک سلسلہ تلامزہ کے بانی ہیں۔ (۳۷)
تیسرے منشی شیخ بشارت علی صفی پوری جن کے پاس ناطق کی نثری تحریری محفوظ
تھیں اور جو امیر سنگھ جوہر نے ان سے جوہر معظم میں استفادہ کیا ہے بشارت
فارسی اور اردو کے شاعر تھے اور سلسلہ طریقت کے آدمی تھے۔ (۳۸)

لکھنو کے حوالے سے ناطق کے چوتھے قابل ذکر شاگرد مولوی
رفعت علی رفعت رسولپوری ہیں جو امرا و نوابین کے اتالیق اور بیاض مجموعہ نظم
ونثر کے مصنف ہیں۔ رفعت رسولپوری نے ہی ناطق کے مجموعہ کلام جوہر
معظم کی تاریخ کہی ہے:

چو کلیاّت ناق اور ستادی
کہ شد کنز الجواہر در دھن ھا
بطبع آمد زطبع رفتم جست
بتار تخش گلستان سخن ھا۳۹

شاگردوں کی اس فہرست میں اگر ترک علی شاہ قلندری لاہوی کا
ذکر نہ کیا جائے تو نہ صرف یہ فہرست نامکمل رہ جائے گی بلکہ مرزا گل محمد دلخوش

ناطق کی زندگی کا ایک اہم اور فعال دور بھی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا اور ہمارے نزدیک اس مقالے کا حاصل یہی نکتہ ہے۔

ناطق کی سندھ سے دہلی کی طرف روانگی کا سن تخمینا ۱۸۳۰ء سے ۱۸۳۱ کے دوران متعین کیا گیا تھا اور دہلی میں ان کے ورود کا سن ۱۸۳۱ء اور ۱۸۳۲ء مقرر کیا گیا تھا۔ ۱۸۳۰ء سے ۱۸۳۱ء یا ۱۸۳۲ء کا عرصہ یعنی سندھ سے دہلی تک تقریباً دو سال ناطق نے کہاں گزارے اور کن مشاغل میں رہے؟ اس بارے میں نہ راشدی بتاتا ہے نہ جوہر معظم سے اس کا پتا چلتا ہے اور نہ ہی صاحب شمع انجمن یا تکملہ سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے ناطق کے سلسلے میں موجود مواد اس مدت کے بارے میں اس طرح خاموش ہیں جیسے ناطق کی سندھ میں آمد سے پہلے کے حالات کے بارے میں لیکن اس موقع پر تذکرا شعراء ے پنجاب کے مطالعے سے امید کی ایک کرن نظر عتی ہے اور وہ اس طرح کہ حضرت ناطق مکرانی ہمیں اپنے پورے علم و فضل اور شاعرانہ کمال کے ساتھ لاہور میں متمکن نظر آتے ہیں۔ چنانچہ تذکرہ شعرائے پنجاب مولفہ سر ھنگ خواجہ عبدالرشید میں تذکرہ سخنوران چشم دیدہ اور فارسی میں دیگر تقریباً بیس کتابوں کے مصنف ترک علی شاہ قلندر لاہوری المتخلص بہ ترک، ناطق مکرانی سے اپنی شرف تلمذ کا اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

"روزی شاعر لاہوری کہ خود را از اولاد شاہ آفرین میگفت برای ملاقات والد (این فقیر) آمد و گفت، یکماہ شدہ کہ این مصراع گفتہ ام"

شبم نظر بہ خم زلف تو بود

مصراع ثانی چنانکہ میخواہم خم نمیشود، آنجناب فرمودند کہ من دستگی بہ شاعری ندارم مگر پسر من کہ ہنوز ہفدہ سالہ است، جنونش در سری دارد۔ شاید براین مصراع مصراع خم میکند۔ واین سخنان در گوشہ استادہ می شنیدم ودر مصرع ثانی فکر میکردم کہ والد آواز داد۔ بغور حاضر شدم، فرمود! میتوانی براین مصرعہ ثانی چسپان کنی؟ اگر حسب منشای این مہمان مصراع پیوند کنی از امروز ترا اجازت شعر گفتن خوہم داد۔ من روی خود بسوی مہمان کردو عرض کردم بفرئید! آن بزرگ مصرع بالا خواند، فقیر آن مصرع را مطع کردہ برگفت:

شبم نظر بہ خم زلف مشکفام تو بود

اسیر طائر نظارہ ام بدام تو بود

مہمان وحاضرین از جابر جستند وصدای تحسین بلند کردہ گفتند: زندہ باش۔ بزرگ گفت: گواہ باشید من مصراع خود باین طفل بخشیدم ووالدم نیز فرمودہ اجازت گفتن شعر دادند و من آداب بجائی آوردہ سر در پائی والد و مہمان وحاضرین افگندم۔ بعد از چہار روز مرا پیش حضرت ناطق مکرانی بردہ

دست من بدست آنجناب سپردہ بشاگردان شان سرفراز نمودند۔ (۴۱)

اس عبارت کا آخری فقرہ یعنی (بعد از چہار روز مرا پیش حضرت ناطق مکرانی بردہ دست من بدست آنجناب سپردہ بشاگردان شان سرفراز نمود نہ) یقیناً قابل غور ہے اور شاگردان کے صیغہ جمع سے صاف ظاہر ہے کہ ناطق مکرانی لاہور میں ایک باقاعدہ حلقہ تلمذ رکھتے تھے اور نہ صرف یہ بلکہ

(۴۱) تذکرہ شعرائے پنجاب صفحہ نمبر

ایک دن لاہور کا یک شاعر جود کو شاہ آفرین کی اولاد بتاتا تھا میرے والد صاحب سے ملنے آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک مصرع کہا ہے اور ایک مہینے سے شعر مکمل کرنے کی فکر میں ہوں لیکن مصرعہ ثانی نہیں ہو رہا۔ پھر یہ مصرع پڑھا

شبم نظر بہ خم زلف مشکفام تو بود

والد صاحب نے جواب دیا کہ میں تو شاعری سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا لیکن میرا بیٹا جس کے عمر ابھی سترہ سال ہے اس سے دلچسپی رکھتا ہے وہ شاید اس پر مصرع لگا سکے میں بھی ایک کونے میں کھڑا یہ باتیں سن رہا تھا اور مصرعہ ثانی کی فکر میں تھا کہ والد صاحب نے آواز دی میں فوراً حاضر ہو گیا۔ انھوں نے فرمایا اس مصرعہ پر مصرع ثانی لگا سکتے ہو؟ اگر تم نے اس مہمان

کے حسب دلخواہ شعر مکمل کر دیا تو آج سے تمھیں شاعری کی اجازت دے دی جائے گی۔ من مہمان کی طرف رخ کیا ور کہا فرمایئے۔ اس بزرگ نے مندرجہ بالا مصرع پڑھا اوور میں نے اسے یوں مطلع میں تبدیل کر دیا۔

شبم نظر بہ خم زلف مشکفام تو بود

اسیر ائر نظارہ ام بدام تو بود

یہ سنتے ہی وہ مہمان اور دیگر حاضرین داد دینے لگے۔ گواہ رہنا کہ میں نے اپنا یہمصرع اس لڑکے کو بخش دیا ہے میرے والد صاحب نے بھی شعر کہنے کی اجازت دے دی۔ میں نے آداب بجالایا اور اپنے والد، مہمان اور دیگر حاضرین کے سامنے جھک گیا۔ چار دن کے بعد میرے والد صاحب مجھے حضرت ناطق مکرانی کے پاس لے گئے اور میرا ہاتھ آنجناب کے ہاتھ میں دے کر مجھے ان کے شاگردوں کے حلقہ میں سرفراز فرمایا۔

ان کی شہرت فارسی کے ایک استاد شاعر کی حیثیت سے عام تھی اور اتنی عام کی ترک علیشاہ قلندر لاہوری کے والد جو شاعری سے شغف نہیں رکھتے تھے وہ بھی ان کی استادانہ حیثیت اور مرتبے سے واقف تھے۔

ناطق مکران کا قیام لاہور یقیناً ایک ایسا موضوع ہے جو نہ صرف

بلوچستان سے تعلق رکھنے والے اس عظیم شاعر اور عالم کی زندگی کے مزید گوشوں کو سامنے لائے گا بلکہ آج سے دوسو سال قبل برصغیر کے اہم ادبی مراکز کو ایک لڑی میں پرونے والے اس جید استاد کے احوال و آ چار کے حوالے سے ہم اس دور میں بلوچستان بالخصوص مکران میں علمی سرگرمیوں تہذیبی کوائف اور دیگر متعلقات سے آ گاہی حاصل کر سکیں گے۔ اور کیا عجب کہ اس تحقیق کے نتیجے میں ہم نہ صرف ناطق کے زادبوم، خاندان ونثرا کے علاوہ اس درس گاہ اور ان اساتذہ کے بارے میں بھی جان سکیں جن کے زیر صحبت نے اسے شاعری کا وہ شعور عطا کیا جس کی بنا پر وہ لکھنو اور دہلی کے اہل فن کے سامنے بانگے بلند اور پوری جرات کے ساتھ یوں گویا ہوتا تھا۔

آن بلبلم کہ گر بچمن سر کنم فغاں
از ہر درخت آتش موسیٰ شود عیاں
آن شاعرم کہ شہرت شعرم جہان گرفت
چون صیت کام بخشی دستور شہ نشان

حوالہ جات

۱ تاریخ قلات صفحہ نمبر ۲۴۲

۲ بلوچستان گزیٹیر صفحہ نمبر ۵۹ تا ۱۰۶

۳ زکری فرقہ کی تاریخ ۲۳ تا ۲۴

۴ ذکر فرقے کی تاریخ صفحہ نمبر ۱۸۷

۵ ایضا

۶ خطوط غالب صفحہ نمبر ۳۰۰

۷ نقد غالب صفحہ نمبر ۳۹۷ تا ۹۰۷

۸ المعرفت صفحہ نمبر ۲۱

۹ نقد غالب صفحہ نمبر ۳۴۵ تا ۳۷۳

۱۰ تلد نذہ غالب صفحہ نمبر ۵۶ تا ۵۷

۱۱ تکملہ صفحہ نمبر ۲۶۶

۱۲ ایضا صفحہ نمبر ۲۶۶

۱۳ دود چراغ محفل صفحہ نمبر ۲

۱۴ تکملہ صفحہ نمبر ۲۶۵

۱۵ تکملہ صفحہ نمبر ۲۶۷

۱۶ تکملہ صفحہ نمبر ۲۶۷

۱۷ تکملہ صفحہ نمبر ۲۶۵

۱۸ دود چراغ محفل صفحہ نمبر ۶

۱۹ جوہر معظم صفحہ نمبر ۱۲۳

۲۰ جوہر معظم صفحہ نمبر ۷۸

۲۱ دود چراغ صفحہ نمبر

۲۲ منقرقات غالب ظ ۲۳

۲۳ متفرقات غالب صفحہ نمبر ۲۵

۲۴ دود چراغ محفل صفحہ نمبر

۲۵ دود چراغ محفل صفحہ نمبر

۲۶ جوہر معظم صفحہ نمبر ۱۴۴

۲۷ جوہر معظم صفحہ نمبر ۱۴۹

۲۸ دود چراغ محفل صفحہ نمبر ۱۲

۲۹ دود چراغ محفل صفحہ نمبر ۱۲

۳۰ جوہر معظم صفحہ نمبر ۱۴۹

۳۱ بمع انجمن صفحہ نمبر

۳۲ دود چراغ محفل صفحہ نمبر ۳۰

۳۳ دود چراغ محفل صفحہ نمبر

۳۴ خم خانہ جاوید صفحہ نمبر

۳۵ جوہر معظم صفحہ نمبر

۳۶ دود چراغ محفل صفحہ نمبر

۳۷ دود چراغ محفل صفحہ نمبر

۳۸ جوہر معظم صفحہ نمبر

۳۹ تذکرہ شعرائے پنجاب صفحہ نمبر

۴۰ تذکرہ شعرائے پنجاب صفحہ نمبر

کتابیات

تاریخ قلات، میر رحیم داد شاہوانی، بلوچی اکیڈمی شارع عدالت کوئٹہ ۱۹۸۳

تذکرہ شعراء پنجاب، سرھنگ خواجہ عبدالرشید، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۱

تکمیلہ مقالات اشعراء، محترم ابراہیم خلیل قوی، سندھ ادبی بورڈ حیدر آباد ۱۹۵۸

تلامذہ غالب، مالک رام، مرکز تصنیف و تالیف نکودر ۱۹۵۵

جوہر معظم، مرزا گل محمد خان ناطق مکرانی، مطبع نوں کشور لکھنو ۱۹۷۷

خطوط غالب، مولانا غلام رسول مہر، غلام اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۵

خم خانہ جاوید، لالہ سری رام دہلوی

دود چراغ محفل، سید حسام الدین ساشدی، ادارہ یادگار غالب کراچی ۱۹۶۹

ذکری فرقے کی تقریخ، عبدالغنی بلوچ، آل پاکستان مسلم ذکری انجمن کراچی ۱۹۹۶

شمع انجمن، نواب صدیق حسن خان، بھوپال ۱۲۹۲

دی گز پیٹر آف بلوچستان (مکران) گوشہ ادب کوئٹہ ۱۹۸۶

متفرقات غالب، انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ ۱۹۵۶

رسائل:

المعرفت (ماہنامہ) مقالہ: (سندھ میں عزازی از حشمت علی) حیدر آباد سندھ ستمبر ۱۹۶۳

ناطق مکرانی

عبدالغفار ندیم

بلوچوں کے لغت زبان شاعر خوش نوا نواب میر گل محمد خان زیب مگسی نے ناطق مکرانی کی ایک غزل کی تخمیس و تضمین پر محمس کے عنوان میں ناطق مکرانی کو ''طوطی ناطق گلستان خوش بیانی'' کا خطاب دے کر اس کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

مشوزباب ازیں دلفریب خوان برخیز
مباش سنگ ببانگی چو صوفیاں بر خیز
کہ تا بدوست رسی از خیال جان برخیز
سبکدل از ھوس عشرت جہاں بر خیز
''مشو بخاطر ازیں بیشتر، گراں بر خیز''
علاج فکر ہمیکن پیالہ میکش
دریں المکدہ میماں بساغری سرخوش

نواخت دوش بتی ایں ترانہ دلکش
''بزر مجوش چناں گرم کا تش است آ تش''
''شتاب از سر ایں شعلہ چوں دخان برخیز''
چوں آب چشمہ حیوان بہ شب چراغ مخواہ
چو طفل فسحت میدان لہو و لعب مخواہ
''فراخ کنج قفس از فضائی باغ مخواہ
سراغ دام کن اے مرغ ز آشیان بر خیز''
بجسم کا ستم اما بَروح افزو نم
حنا صفت بملا سبز خفیہ دلخونم
بتاج عشق دریں مملکت فریدونم
''گرفت روئے زمین سر شک گلگونم
تو نیز نالہ بہ تسخیر آسمان برخیز''
شب آخر آمدہ بانگ خروس فاش گواست
زطوطیان نوانسج در چمن غوغا است
''دمید صبح گل از رخت غنچگی برخاست
تو ہم بذوق صبوحی زپرنیاں برخیز''
چہ سود یافتہ ایکہ سبحہ گیر شدی

بزِ ہدّ خسک گریزاں زبم وزیر شدی
زترک بادہ بدام الم اسیر شدی
''بکنج خسک گریزاں زبم وزیر شدی
زترک بادہ بدام الم اسیر شدی
''بکنج صومعہ زاہد نشستہ پیر شدی
دمی بدیر نشین مئی کش و جوان برخیز''
دروں میکدہ چو داشتی علم ناطق
چوزیب بوودلت خالی از الم ناطق
کنون است گردنت از بار فکر غم ناطق
''سزائے توست کہ گشتی اِسیر غم ناطق
کہ گفتہ ترا رکو درمغاں برخیزا''

قاضی عبدالصمد سربازی مرحوم ناطق کویوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

''ناطق مکرانی اپنے خیابان کا واحد پھول نہیں۔ مکران اور بلوچستان کی خاک سے سینکڑوں علماء کرام و مشائخ عظام شعرائے نکتہ سنج و بذلہ گو، دلیران نبرد آزما و جنگجو، بہادران شمشیر زن و ہژبر انفِ صف شکن اسخیاء حاتم مثال، کریمان نیک خصال، عاشقان پاکباز و عارفان محرم راز زاہدان خلوت گزین و مردان خدا پرست و حق پرست پیدا ہوئے ہیں۔

ان میں سے بعض آسمان مکران وبلوچستان پر ستار وار درخشاں ہیں اور بعض گمنامی کی حالت میں دنیائے بے بقا سے چل بسے۔ بقول سعدی

بس نامور بزیر زمین دفن کردہ اند
کز ہمیش بزیر زمین یک نشان نماند

مگر ناطق مکرانی کی حد تک نام بھی باقی ہے اور نشان بھی۔ اس کی پر لطف شاعری اور دلچسپ مکاتب سے ہم دیار پاک کے اس قابل قدر ورثہ کا سراغ پاتے ہیں۔ جس نے فارسی ادب کی ''بہار عجم'' کے مقابلہ میں ''بہار ہند'' کو جنم دیا تھا اور جس پر ہمیں آج بھی ناز ہے''۔ اپنے فکر و افکار کے بارے میں ناطق خود گویا ہیں۔

صبا از نکہت گلہائے باغ فکرت ناطق
بگرداں تازہ روح گلزار آمل را

گویا ناطق کے باغ فکر کے پھولوں کی خوشبو سے ''گلزار آمل کے ہندوستان کسے بلبل کی روح تازہ و سرمست گھوم رہی ہے۔

مکران اور مکرانیوں کے ذکر پر ناطق کے حافظ شیرازی کی غزل پر تضمین کے چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

''این چہ شور یست کہ در قمری بینم
ہمہ آفاق پراز فتنہ و شری بینم

اہلہاں راہمہ شربت ز گلاب و قنداست
قوت دانا ہمہ از خون جگرمی بینم"
نہ کتابے بہ بغل شاں نہ قلم در کف شاں
در بغل ھیزم و دردست تبرمی بینم
ہمہ آفاق بنو شند گلاب و قندے
مکریاں را ہمہ پرز خون جگرمی بینم

ناطق مکرانی مکران کے کس شہر و دیہہ کا رہنے والا اور کس قبیلے کا فرد تھا؟ اس بارے میں اس کے مطبوعہ کلام "جوہر معظم" سے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ کامل القادری مرحوم نے اپنے مقالہ "فارسی گویان بلوچستان" میں تحریر کیا ہے کہ "اب بعض روایتوں سے اس قدر منکشف ہوا ہے کہ ناطق مکرانی بھی تسپ (پنجگور) کے ملازئی قبیلے سے تھا۔ وہ عنفوانِ شباب میں بفرض تعلیم سرباز، قصر قند اور بمپور (ایرانی مکران) جا چکا تھا۔ فارسی عربی اور علوم، متداولہ میں بے پناہ دستگاہ پیدا کر لی تھی اور شاعری کا مذاق عنفوانِ شباب ہی سے نہایت پاکیزہ تھا۔

بلوچی کے شاعر صحافی اور تاریخ دان قاضی عبدالرحیم صابر اپنی کتاب مکران تاریخ کے آئینہ میں "گل محمد ناطق مکرانی" کے عنوان سے اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ "بڑے بوڑھوں سے اس قدر ضرور سنا ہے کہ ناطق مکرانی ناصر آباد (کیچ) کا باشندہ تھا اور اس کے والد ایک معزز بلوچ تھے جو

کہ زراعت پیشہ شخص تھا لیکن یہ صرف سنی سنائی باتیں ہیں..... حصول علم کی خاطر ناطق عازم ہندوستان ہو کر پھر ہمیشہ کیلئے ہندوستان ہی کا ہو کر رہ گیا۔ حالانکہ ہندوستان میں رہتے ہوئے اس کا خیال ہمیشہ مکران کی طرف رہتا تھا۔ اور یہ اس کی بڑی خواہش تھی کہ وہ دوباہ اپنے وطن مکران چلا جائے لیکن اس زمانے میں سفر کی یہ سہولتیں حاصل نہ تھیں جو آج کل ہیں۔ اس لئے شاید خواہش کے باوجود وہ پھر مکران نہ آ سکا۔'' خاک مکران سے ناطق کو کس قدر الفت تھی وہ جذبہ محبت اس شعر سے بخوبی آشکار ہے

صبا از جانب ناطق سلامے خاک مکراں را
کہ من چو غنچہ، دل در گلشن ہندوستان بستم

بقول قاضی عبدالصمد سربازی ''وطن عزیز کو یاد کر کے بادصبا کے ذریعے پیغام وسلام پہنچاتے ہیں۔ اور دل کو خوش رکھنے کیلئے کبھی اپنی بڑائی سے مکران کا نام بلند کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

مرد مشہور کنند نام وطن را ناطق
بایزید ہمہ جا گفتہ است بسطامی ہست''

ناطق، اپنی مفلسی اور ناقدری پہ یوں رقم طراز ہیں۔

''یازدہ سال می گذرد کہ بفرمائش مربیاں صد ہا نظم ونثر پرداختم، و بغیر حرمان چیزے دیگر نیایند وختم..... دیروز ودیگ وچمچہ وآفتابہ باقیماندہ

لکھنو بود آن بفروختن رفتم"

جیسا کہ ایک جگہ کہتے ہیں۔

ناطق از خجلت کم قیمتی خویش بدھر
آب شدباز دگر گوہر یکدانہ ما

یایوں ایک دوسری جگہ پر کہتے ہیں

ناطق نشد بجز کفنے حاصل بدہر
آن ہم بمزد گور، گورکن گرفت

ناطق ناسازگار حالات زیست اور اہلوعیال کی جدائی کے صدمات سے عزیزان وطن سے یوں خطاب کرتے ہیں۔

گاہ درنالہ ام از در د گرفتاری خویش
گاہ در گریہ ام از اطفال و عیال
اے عزیزان وطن دست بشویداز من
کشتہ ہندم و سبزان گلابی پوشم!

ناطق مکران کے جس علاقے کے بھی رہنے والے ہوں مگر اس کا کلام بلوچوں اور بالخصوص اہل مکران کیلئے سرمایہ افتخار ہے۔

ملا ولی محمد پنجگوری

آپ ملا غلام محمد کے بیٹے تھے اور پنجگور کے موضع تسپ کے باشندے اور ملازئی قبیلے کے فرد تھے۔ آپ کے والد زمیندار تھے۔ اپنے علاقے اور قبیلے کے بارے میں ایک جگہ کہتے ہیں۔

مصنف شد بلا دش پنجگور،
نسب ملازئی دار د مشہور

عالم جوانی میں آپ نے ایرانی بلوچستان کے ایک شہر دزک (سراوان) میں دکان داری شروع کی اور زیادہ تر قیام وہیں رہا۔ یہ قاچار بادشاہوں کا عہد تھا اور وہ قاچاروں کے لشکروں سے نبرد آزما اور رزم آرا تھے۔ ملا ولی محمد ان کی حریت پسندی سے متاثر تھے اور ان کے رزمیہ

کارناموں کو مثنوی کے طرز پر لکھا کرتے تھے۔ وہ بہرام خان ثانی باراں زیکے بارے میں کہتے ہیں۔

دلم مردانسانے میل کردہ
خیال ام راہر طرف سیر کردہ
بہ ہندوستان و ملک خاران
شدہ فکر م ز مکران تا خراسان
دریں اطراف ہر چند دویدہ ام
نہ اوصاف کسے از کس شنیدہ ام
ہمہ ملکے بلوچستان تمامے
نشد پیدا نشانے مردنامے
خیالم باز شد سرحد ایران
کہ اول گشتہ ایران جائے شیران
بہ بہرام خان چو فرزندے ندیدم
بنامش داستانے نوکشیدم

ایک جگہ مثنوی لکھنے کی وجہ بہرام خان ثانی سے دوستانہ اخلاص بتاتے ہیں۔

چوں بہرام بودم دوست داری
ادا کردم فنِ خدمت گزاری

اور دعویٰ کرتے ہیں

حکایاتے دیگر در نظم جو یم
بچشم خویش دیدم آنچہ گویم

بڑھاپے میں وہ واپس تسپ پنجگور آئے، عہد پیری میں وہ آنکھوں سے معذور تھے۔ کامل القادری مرحوم اپنے مقالہ بلوچستان کے فارسی گوشعرا میں لکھتے ہیں کہ اس نے آپ کی مثنوی ''بہرام خان نامہ'' کا قلمی نسخہ میر صادق ملازئی سکنہ تسپ پنجگور کے پاس دیکھا اور اس کا مطالعہ کیا۔ جس میں قریباً ۱۵۸۰ اشعار ہیں۔ خود شاعر مثنوی کے کل اشعار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

چوں ایں نامہ بہ آخر ختم کردم
تمام ابیات یک یک برشمردم
ہزار و شش صد و پنجاہ و دہ بند
صفات و داستان جنگ یا بند

اس طرح کل اشعار کی تعداد ۱۶۶۰ بنتی ہے۔ مثنوی کے اختتام کی

تاریخ کا یوں ذکر کیا ہے۔

بوقت ختم نامہ، ہجرت آید
ہزار و سہ صد و جہل و شش آمد

یعنی ۱۳۴۶ ہجری میں مثنوی کا اختتام ہوا۔ مسودہ کے خاتمہ پر جو تحریر ہے اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ جو یہ ہے۔ تمت شد کتاب..... بہرام ثانی ودوست محمد خان ''۱۳۴۶ بمطاق سن عیسوی ۱۹۴۸''

ملا ولی محمد نے ۱۹۴۹ میں وفات پائی۔ کامل القادری کے لکھنے کے مطابق آپ ملا عزت کے پوتے تھے۔

قاضی عبدالرحیم صابر مرحوم اپنی کتاب ''مکرانف تاریخ کے آئینہ میں'' صفحہ نمبر ۱۳ میں باراں زئی اور مکران کے عنوان سے لکھتے ہیں ''بہرام خان باراں زی ایرانی بلوچستان کا سب سے بڑا سردار تھا۔ پہلوی حکومت سے قبل سارے سردار اپنے اپنے علاقوں میں آزادانہ حکومت کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ایک سردار دوسرے سردار یا ایک علاقہ کا حاکم دوسرے علاقہ کے حاکم کی بالادستی کو تسلیم کرنے کیلئے آمادہ نہ ہوا۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان بلوچ حاکموں یا سرداروں کی ساری زندگی آپس کی چپقلش اور خانہ جنگی میں گزرتی اور خصوصاً میر بہرام

خان کو جو ایرانی بلوچستان کا مایہ ناز فرزند تھا۔ اسے آرام واطمینان سے زندگی گزارنے کا بہت کم موقع فراہم ہوا۔ یعنی اس مجاہد کا ہاتھ بسا اوقات قبضہ شمشیر پر رہتا تھا اور بالآخر اس نے ملوک الطّوائف یعنی سارے بلوچ ہاکموں اور سرداروں سے اپنی بہادری اور بالادستی کا لوہا منوایا۔ جب پہلوی حکومت کا دور دورہ ہوا تو حکومت وقت نے اجری شخص کی قدردانی کی اور اسے مراعات اور خطابات سے نوازا۔ میر بہرام خان کے مکران پر حملہ آور ہونے کے یہی اصلی اسباب تھے..... چنانچہ اس سال کو آج تک بلوچی میں بہرام خان ءِ ڈاہ ءِ سال کہتے ہیں۔

پاکستانی مکران کے علاقوں پر باراں زئیوں کے حملوں اور یورشوں کی قاضی عبداحیم صابر نے تفصیلات دی ہیں۔ جن میں میر بہرام خان کے بھائی میر امین کے آدمی میر ابراہیم خان باران زئی کے کچھ ساتھیوں کے ساتھ علاقہ زامران میں مکران لیویز کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد میر امین نے انتقام لینے کیلئے مکران کے علاقہ مند سے ہوتے ہوئے کنٹ دار (دشت) پر حملہ کر کے تاخت وتاراج کا بازار گرم رکھا۔ مکران لیویز سے مقابلہ کے دوران وہ مارا گیا۔ یہ جنگ جاہ ''کلمیر سنٹ'' کے نام سے مشہور ہے۔

اس طرح تمپ کے گومازی کے علاقے سے مند کے حلقے تک بہرام خان اور مکرانی لیویز کے درمیان رزم آرائیاں ہوئیں۔

ملاولی محمد نے مثنوی بہرام نامہ میں نوروز خان حاکم خاران کے ساتھ بہرام خان کی معرکہ آرائی۔ دزک کی رزم آرائی بیستون میں جنگ آرائی، قلعہ بمپور پر قبضہ کر کے قاچاریوں کے ساتھ جنگ اور میرامین کا انتقام لینے کیلئے کیچ کے علاقوں میں رزم آرائیوں اور جالک میں میر دوست محمد خان کی رزم آرائیوں کو اپنے مثنوی بہرام نامہ میں نظم کیا ہے۔

شہ محمد درفشاں

مکران کے ذکری فرقہ کے فارسی گو شعرا میں آپ کا رتبہ، مرتبہ اور مقام سب سے بلند ہے اور آپ کو ملک الشعرا مانا جاتا ہے آپ کی زندگی کے حالات پر بھی مکران کے دیگر شعرا کی طرح تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ ذکری (مہدی) انجمن کراچی نے جناب شہ محمد نوری کی تالیف کردہ ایک چھوٹی سی کتاب شائع کی ہے جو کہ صرف ایک نعت پر مشتمل ہے۔ محمد نوری صاحب نے آپ کی زندگی کے حالات پر مختصراً روشنی ڈالی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد کا نام شہ جلال تھا اور آپ کی والدہ مریم قصر قند کے حاکم اور فارسی کے شاعر عبداللہ جنگی بلیدئی کی بیٹی تھی۔ اس طرح آپ کو سیادت، مذہب اور علم وادب کے امتزاج پر مشتمل ماحول نصیب ہوا۔

آپ کے پردادا ایرانی بلوچستان کے شہر شاہرک میں آ کر سکونت پزیر ہوئے تھے۔ لیکن آپ کی پیدائش قصر قند کے علاقہ ''شیخ مسجد'' میں ہوئی اور آپ قصر قند ہی میں مقیم رہے۔ آپ نے مذہبی اور فارسی و عربی کی تعلیم اپنی والدہ سے گھر میں حاصل کی۔

شہ محمد نوری کے مطابق آپ کو بچپن سے شاعری کا شوق تھا اور جوں جوں عمر بڑھتی گئی تجربہ کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا اور علم و ادب میں زیادہ ملکہ حاصل ہوتا گیا اور آپ کی شاعری کا زمانہ ۱۱۵۸ ھجری بمطابق ۱۶۵۸ عیسوی ہے جیسا کہ ایک جگہ کہتے ہیں۔

چون خواہی تو تاریخ این منقبت
بودز ھجر تش سبع خمسین و الف مائۃ

۱۱۵۸ ہجری

آپ کے دیوان کا نام درو جود ہے۔ محمد نوری نے شہ گل محمد کا ایک قلمی نسخہ دکھایا تھا۔ جس میں آپ کا کلام ۱۹۸ صفحات پر محیط ہے۔ اسی طرح کا ایک اور نسخہ جو شہ بہرام سکنہ کراچی کے پاس محفوظ ہے۔ وہ بھی میری نظر سے گزرا ہے اور جس کو میں نے ۱۹۷۷ میں بلوچی اکیڈمی کے حوالے کیا تھا کہ وہ اس کی تالیف و تدوین کر کے چھاپ دیں۔ مگر بلوچی اکیڈمی اپنی کئی مجبوریوں کی وجہ سے ایسا کر نہ سکی اور یہ نسخہ میں نے ۱۹۸۳ میں واپس لے کر شہ عبدالغنی برادر شہ بہرام کے حوالے کیا۔ جنہوں نے بعد میں اس کو ۱۹۸۵ میں کراچی سے ''درو جود'' کے نام سے طبع کرایا اور اس کے مرتب شیخ محمد نوری بن شیخ نورالدین سکنہ تربت ہیں۔

اس کتاب میں شہ محمد نوری نے آپ کی سن ولادت ۱۰۴۰ھ اور سن وفات ۱۱۲۰ھ لکھی ہے۔ اس کے مطابق آپ کے دادا شیخ عمر جن کا سلسلہ

نسب پانچویں پشت پر شیخ جنید بغدادی سے جا کر ملتا ہے۔ بغداد سے ھجرت کر کے شارک (ایرانی بلوچستان) آ کر آباد ہو گئے تھے۔

آپ کے والد شہ جلال شیخ عمر کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی اولاد ۱۹۳۶ میں نقل مکانی کر کے تربت میں آ کر آباد ہو گئی اور شیہانی بازار ابھی ان کا مسکن ہے۔

پروفیسر خالد بلوچ صاحب دروجود کے حرف آغاز میں لکھتے ہیں۔ ''درحقیقت وہ ایک صوفی شاعر تھے اور ان کا کلام پند و نصائح پر مبنی ہے ان کے ملام میں ایک مکانی کی یگانگت دنیا کی بے ثباتی اور نائیداری کا ذکر اور ذکر اللہ کو اختیار کرنے کی تلقین ہنر فن و معرفت اور صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت، خوداری اور خدا اعتمادی جیسے موضوعات پڑی خوبصورتی سے پیش کئے گئے ہیں۔ دیوان درافشاں کے مطالعہ کے بعد قارئین یقیناً مجھ سے اتفاق کریں گے کہ وہ ایک بلند پایہ صوفی شاعر تھے اور ان کے فکر میں غواثان حق و معرفت کے لئے عمیق گہرائی موجود ہے۔''

جناب عبدالغنی بلوچ صاحب دروجود کے تعارف میں لکھتے ہیں ''درافشاں نے زندگی کے حقائق و مقاصد کو اپنے کلام کے ذریعہ بڑی خوش اسلوبیکے ساتھ لوگوں کو پہچانے کا فرض پورا کیا۔ یہی حافظ کا درس تھا۔ یہی

رومی کا پیغام تھا اور یہی سعدی کی سوچ تھی اور بلاشبہ اس درس و پیغام اور سوچ میں درافشاں، ان کے ساتھ پائے ہمرکابی کرتے نظر آتے ہیں"۔

دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کے بارے میں کہتے ہیں۔

بسیارے از شہنشاہاں بسیارے از پیر و جواں
آمد بہارش را خزاں جملہ فنا جملہ فنا
نوح نجی اللہ کجا ابن خلیل اللہ کجا
موسیٰ کلیم اللہ کجا جملہ فنا جملہ فنا
یحییٰ کجا شمعون کجا جملہ فنا جملہ فنا
عباس فردوسی کجا طحماس کجا طوسی کجا
گلبانگ کاؤسی کجا جملہ فنا جملہ فنا
خاقان کجا قیصر کجا بہمن کجا سنجر کجا
خسر و کجا ناصر کجا جملہ فنا جملہ فنا

توصیف باری تعالیٰ میں یوں گویا ہیں۔

آن سامعے کہ واقف سر نہاں بود
صفت نمائے جسم زمین و زماں بود
از فیض فضل اوست کہ از آب قطرہ

اعضائے گوشت پوست رگ و استخواں بود
ہر سر کش کہ سر کشد از حکم در گہت
گر در چو خاک پست اگر چو آسمان بود

درافشاں کے نزدیک انسان کا مقام نہایت اعلیٰ ہے۔اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے صاحب قلب وپیر طریقت کی صحبت میں رہنا ضروری ہے اور غلط وگمارہ لوگوں کی صحبت میں رہ کر انسان ناکارہ اور سماج کیلیے مضرو نقصان رساں ہوتا ہے۔

بگیر مرشد کامل کہ رہ بری بہ نجات
مگیر صحبت جاہل کہ در سفر مانی
بداں یقین کہ ہمیں است راہ دین مبین
بدین طریق ہمہ مشکل است آسان
چون درین جاہ مسجد است و خلوت است
راحت اندر، راحت اندر، راحت است
چونکہ ذکر و علم و حرف و حال است
لذت اندر، لذت اندر، لذت است
صحبت ناجنس و نااہلان ولے

محنت اندر، محنت اندر، محنت است

درافشاں نے مرثیہ نگاری بھی ہے۔ اپنے ایک عزیز کمال خان کی ناگہانی موت پر وہ کہتے ہیں۔

دلآرامے کہ بود آرام جانم
انیس و خاطر روح روانم
گلے بود درگلستان جوانی
چراغے بود اندر خان مانم
چرا اے دیدہ از غم خون نریزی
چوں رفت آں روشنی از دیدگانم
چرا اے دل نخراشی بزاری
چو گم شد ماہ بدر از آسمانم
چرا اے دوستان بامن نگرئید
کہ از ہجرش زبون و ناتوانم

سعی کامل، عمل پیہم اور جد و جہد مقصد حیات کے حصول کے لیے لازم ہیں۔ کاہلی انسان کو دیمک کی طرح چاٹتی ہے۔ جد و جہد اور عمل کا نام زندگی ہے۔ علامہ اقبال کا شاہین اسی جد و جہد کی علامت ہے۔ وہ اس قسم

کے خیالات کے غماز ہیں۔

چوں تو ئی شہباز قدرت، بہر جیفہ رومیار
بلکہ بر چرخ بلندی خویش را پرّان کنی
مجنوں پشو شیدائی پروانہ آں لیلیٰ
پرواز مکن طائر از خطہ آب و گل
وں بندہ فرمانی شائستہ انسانی
امروش بدرستی بگیر بگذر ز ہمہ باطل
چوں است ترا فرصت بر خیز جہادے کن
زاں پیش کہ بیخ عمر بر کنند ازیں منزل

اپنی نظم ''خطاب بہ انسان'' میں درفشان انقلابی خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

چوں روح بہ جسم تو در آورند
گشتند فرشتگاں غلامت
آں چیز کہ حق بے نیاز است
اندر حق تو شد تمامت
از ارض وسما مہر و تاماہ

با انجم و بحر و بر بکامت
بت را بشکن اگر خلیلے
آذر صفتے چو بابتانی
باشی چو خلیل بت شکن
زنارہ آذری گستہ
در دام زمین مشومقید
اے مہر سپہر آسمانی

ان کی غزلوں کے چند نمونے ملاحظہ ہوں

اے دوست دلفگارم دردست غم نزارم
جز تو کسے ندارم یارب ظلمت نفسی
محروم آستانم مشغول این و آنم
درغیبت و گماں ام یا رب ظلمت نفسی

☆

اے محمد رفت ایام فراق
وصلت اندر وصلت اندر وصلت است

☆

کامرانی عیش نوش جہان

بازی است ہمچو بازی طفلان
کامرانم زبہر بازی خود
سوئے خانہ او شد تہی دستان
اے محمد مشوزین باب
مرکب نظم را بدار عنان

آپ نے روح، عقل اور دل کے بارے میں بلند خیال پیش کر کے عمدہ استعاروں کا استعمال کیا ہے۔

روح شاہ است دل و لایت شاہ
عقل باشد وزیر شہنشاہ

☆

عقل شہباز دست و پائے شہ است
روح را طرز ایں زینت است ضیاء

آپ نے اخلاقی شاعری بھی کی ہے اور لوگوں کو پند و نصیحت بھی دی ہے علم آموزی کے بارے میں کہتے ہیں۔

علم آموز و عمل کن علم را
از چراغ علم حق جاہل مباش

اے محمد گر تو خواہی قرب عشق
جاہل بگزار، ہم عاقل مباش

پہ محمد درفشاں کے کلام تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ستارویں صدی عیسوی کا ایک عظیم شاعر تھا۔

آپ اپنے دیوان درو جود کو ایک حمد سے شروع کرتے ہیں جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

بنام خدائے کہ در وجود
بر آوردہ از بحر افضال وجود
بر آرندہ زمین و آسمان
نگار ندہ آدم از ما وطین
فرازندہ خاک برروئے آب
فروزندہ عالم از آفتاب
نگنجد ثنا اش بوہم و خیال
در اوصاف او طوطی نطق لال

ان کی اکثر منظومات، مثنوی کی صنف میں ہیں۔

سید نور شاہ

سید نور شاہ مکران کے علاقے تمپ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس وقت آپ کی اولاد اور آپ کے بھائی سید رحیم بخش کی اولاد تمپ کے علاقہ موضع رودبن میں سکونت پزیر ہیں۔ ایک اور بھائی سید رسول بخش شاہ کی اولاد کیچ کے علاقہ سنگ قلات میں رہ رہی ہے۔

آش نسلاً سید مشہور ہیں۔ آش کے بھائی سید رسول بخش شاہ نے جب وہ زندہ تھے مجھے اپنے خاندانی پس منظر کے بارے میں خانگی دفتروں کے حوالے سے بتایا تھا کہ ان کے والد سید احمد خان شاہ ڈیرہ غازی سے ہجرت کر کے تمپ میں آ کر سکونت پزیر ہوئے۔ آپ کے دادا خان محمد بن عمر بن سید محمد تھے۔ سید نور شاہ کا سلسلہ حسب نسب خود نوشت نسب نامہ کے مطابق تونسہ کے مشہور بزرگ خواجہ اللہ بخش اور خواجہ سلیمان سے جا کر ملتا

ہے۔سید نور شاہ نے اپنے نسب نامہ کے آخر میں یہ شعر لکھا ہے۔

نسب نامہ ام گشت این جاتم
زیادہ نگویم سخن و سلام
آباواجداد خواہی طلب
زنسل سیادات و ملک عرب

آپ ۱۳۵۵ ہجری میں تمپ کے موضع دازن میں پیدا ہوئے اور دشت کے علاقے پنودی میں دفن ہیں آپ بلوچی کے صوفی شعر ملا بوھیر اور ملا عبدالنبی کے ہمعصر اور ہم مجلس تھے۔

آپ نے بلوچی اور فارسی زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے۔آپ صوفی منش شاعر تھے۔تصوف و معرفت سے متعلق اپنے عشقیہ جذبات کا اظہار اپنی شاعری میں کرتے تھے۔اس کی شاعری زیادہ تر غزل میں تھی۔

نمونہ کلام:

نامہ اعمال آید از جانب رب ازل
لطف فرماشو یا محمد مصطفیٰ

☆

اندرآں روزے کہ جان از بدن پران شود

مستغفات از شر شیطان یا محمد مصطفیٰ

☆

نہ خواب اور اورشبے، نہ روز اور اغفلتے
الف نون واؤرے داخل شدہ درملتے

(انور)

☆

در شب گورم نبا شد غیر تو دیگر مرا
چاہ ساز ما غریباں یا محمد مصطفیٰ

☆

عاشق بذات لامکاں روز خوانم وصف آن
مستغرق در ذکر سلطان نقش

ایک شاعر رسول بخش ان کی وفات پر کہتے ہیں۔

نور شاہ عالی جاگہ تئ خالی
ساعتے سالے چوں تو پنہانی
رسول بخش آن است از غم نور شاہ
جیب و جاں صد چاک در گریبانی

نور شاہ کے ایک مرید خلیفہ خداداد نے آپ سے عقیدت کا اظہار

بلوچی میں ایک گیت میں یوں کیا ہے کہ جو کہ بلوچی کی عوامی شاعری اور مکران کے لوک نوغموں میں شمار ہوتی ہے۔

نور شاہ سوار انت جوزک ءَ
مسکین خداداتے دپ ءَ
روت رچنت تمپ ءِ مرید
نور شاہ گل ءَ زیارت کنت

مولوی محمد صدیق پنجگوری

عبدالباقی براہوئی (شاید مولانا عبدالباقی درخان) نے بلوچی دنیا کے نومبر دسمبر ۱۹۷۰ کے شمارے میں اس عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے کہ مولوی محمد صدیق ایک عظیم شاعر تھے۔ آپ مکران کے علاقہ پنجگور کے باشندے تھے۔ آپ کے والد کا نام ملا روشن تھا۔ آپ کی تصنیف ''زخیرہ سلیمانی'' موجود ہے یہ کتاب فارسی زبان میں ہے جس کو آپ نے ۱۲۷۸ ہجری میں شروع کر کے ۱۳۱۶ ہجری میں ختم کی۔

عبدالباقی صاحب لکھتے ہیں کہ آپ نے اس کتاب کے شروع میں ''سوال آنحضرت ﷺ بہ شیطان'' اس کے بعد پندنامہ شیر محمد قریشی کا لکھا ہوا ''این شرح آفت باللہ است'' کو شامل کیا ہے۔ آپ نے فارسی کے مشہور شعر

گرمن از باغ تو یک موہ بچینم چہ شد
پیش پائے تو بچراغ توبہ بینم چہ شد

کو براہوی میں نظم کی اہے اس طرح شیخ سعدی کی ایک غزل کو

براہوئی میں یوں ادا کیا ہے۔

دیم بہ بستاں پری — از برگ گل نازک تری
گفتم کنم بوسہ گری — گفتا اڑے صدقہ کین

گل رنگ بود گلبدن — خرم خراماں در چمن
گفتم تبسم کن — بمن گفتا صدقہ کین

اردو، براہوئی صدتہ یا صدتے یا صدخا بلوچی صدقہ فارسی قربان

ات صوم کا ہم معنی ہے روزمرہ کے ایسے ہی استعمال سے یہ اندازہ لگایا جاتا

ہے کہ معاشرتی آداب و مجلسی اقدار میں ایک قوم کتنا مہذب

(Cultured) ہے۔

اس کتاب کو دلچسپ بنانے کیلئے چند معمے یا پہلیاں لکھی ہیں۔

نہنگے دیدم اندر قعر دیا

گرفتہ دردیاں یک دانہ گوہر

عجب آن است کہ اور اخود شکم نیست

لیکن می خورد دریا سراسر

پہلی کا جواب چراغ ہے اس قسم کی پہلی براہوئی میں بھی ملاحظہ

کریں۔

اے دریاب اے۔ دریاب ٹی دوشہ اسے۔ دوشہ نا بائی لعل اسے۔

یعنی ایک دریا ہے۔ دریا میں ایک سانپ ہے۔ سانپ کے منہ ایک لعل

ایک دوسری پہلی ملاحظہ کریں۔

یکے مرغ دیدم نہ پاؤ ہے پر۔ نہ از شکم مادر نہ پشت پدر

نہ بر آسمان نہ زیر زمین۔ ہمشہ خورد گوشت آدمی

یعنی: میں نے ایک پرندہ دیکھا جس کے نہ پاؤں ہیں نہ پر نہ تو اکی ماں ہے نہ باپ۔ اس کا مسکن نہ زمین پر ہے نہ آسمان پر

مولوی محمد صدیق نے یہ پہیلی کہہ کر اپنی اعلیٰ وارفع ذہانت کا ثبوت دیا۔ اس کا مطلب ہے ''غم'' ''پان'' کے بارے میں ایک پہلی لکھی ہے۔

چار سگ بادو سہ کس کردند جنگ۔ رنگ آن پر خون شد نبود رنگ

اسی طرح ایک اور پہلی لکھی ہے جس کا مطلب کوئی نہ بتا سکا یہ ایک معمہ ہے شاید کوئی ذہین اسے بوجھے۔

زنے کردم کہ آن زن دختر بود۔ چو بستر شدم آن مادر بود

چو فرداخاستم از نرم بستر۔ نظر کردم چو دیدم خواہرم بور

یعنی: میں ایک بیوی سے شادی کردی کہ وہ عورت میری بیٹی لگی جب بستر پہ سویا تو وہ میری ماں لگی جب اگلے دن نرم بستر سے بیدار ہوا تو نظر دوڑائی تو دیکھا میری بیٹی ہے۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں ۲ سے ۲۶ تک پہاڑے اور شعر بازی کے چند کرتب درج ہیں۔ آپ نے اس کتاب میں مخلصی شاعر کی ایک غزل بہ لفظ پنجابی درج کیے جو کہ اردو غزل ہے۔ عبدالباقی صاحب نے ان کی فارسی شاعری کے نمونے اپنے مضمون میں نہیں لکھے ہیں۔ ان کی منظوم تین پہلیاں اور ملاحظہ کیجئے۔

معمائی چشم

چیست آن گل کہ در چمن نبود، یاسمین شکل یاسمین نبود
شگفتہ روز و شب شود غنچہ، قابل این بہ غیر من نبود

معمائی قلم

چیست آن طوطی شکوگفتار، آب حیوان گرفتہ در منقار
بے دھان است راست می گوید، بے زبان است می کند گفتار

ان کی ایک نعت کے چند مصرعے ملاحظہ کیجئے۔

دل گدائی تو یارسول اللہؐ

سر فدائی تو یارسول اللہؐ
شدہ ام مست می کنم نالہ
از برائی تو یارسول اللہؐ
رحم کن برمن ستم دیدہ
بہ لقائی تو یارسول اللہؐ
درد مندم دوانمی دانم
جز دوائی تو یارسول اللہؐ
سرمہ چشم خوشی می خواہم
خاک پائی تو یارسول اللہؐ
در دو عالم طمع ہمین دارم
من لقائی تو یارسول اللہؐ
چشم امید درروز و شب دارم
بر عطائی تو یارسول اللہؐ
دل محمد صدیق خرم باد
از صفائی تو یارسول اللہؐ

ملا اسماعیل پل آبادی

ملا اسماعیل پل آبادی ۱۳۰۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام ملا اللہ بخش تھا۔ خود بھی بلوچی کے اچھے شاعر تھے۔ آپ کا تعلق رند قبیلے سے تھا۔ آپ کا شجرہ نسب یوں ہے۔

ملا اسماعیل بن ملا اللہ بخش بن غلام محمد بن سعد بن ملا اسماعیل بن سیف الدین۔ آپ نے درس نظامیہ کی متداول کتابیں قاضی نور محمد نظر آبادی سے پڑھیں اور زندگی کا پیشتر حصہ وطن ہی میں گزارا۔ ذریعہ معاش زمینداری تھی اور آخری عمر میں ایک دکان بھی کھولی تھی۔

کامل القادری صاحب اپنے مقالہ بلوچستان کے فارسی گو شعراء میں آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"شاعری کا فطری ذوق تھا۔ گھریلو ماحول بھی شعر و سخن کیلئے سازگار تھا کیونکہ آپ کے والد ملا اللہ بخش شعر و سخن سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ آپ

بلوچی میں کم اور فارسی میں مستقل شعر کہتے تھے۔ لہذا آپ کے آغوش تربیت میں مولانا اسماعیل آبادی پروان چڑھے۔ اور آپ نے فارسی کے ساتھ ساتھ بلوچی زبان میں ید طولی حاصل کر لیا۔ اور بے شمار نظمیں لکھیں..... آپ نے منہ کا ذائقہ بدلنے کیلئے اردو میں بھی شاعری فرمائی''۔

میں نے میر عیسیٰ قوی کے پاس ان کی تحریری کودہ بلوچی نظمیں دیکھی ہیں۔ اور اکثر ان سے ان کا ذکر سنتا رہا ہوں۔ آپ کا کلام کراچی کے بلوچی ماہنامے اومان، بلوچی اور کوئٹہ کے بلوچی ہفت روز نوکیں دور میں چھپتا رہا ہے۔ کامل القادری صاحب نے اپنے مضمون میں ان کی تین فارسی نظموں کے کچھ مصرعے قلمبند کیے ہیں۔ میں نے اپنے مقالہ ''مکران کے فارسی گو شعراء'' میں کامل القادری صاحب کے جمع کردہ ان کی فارسی ابیات کے کچھ مصرعوں کا حوالہ دیا ہے۔ ان کی ایک غزل کے چند مصرعے ملاحظہ ہوں۔

این چہ ایامے کہ اسپ و خر برابر می کنند
بی بیاں بہ لولیاں ہم سنگ و ہمسری کنند
ظالماں از مرگ خود باشند ہر جا بے خبر
بر سر قوم غریباں ظلم نادرمی کنند
اسماعیل بگذرز حال مرداں این زماں

پشت بہ کعبہ توجہ سوئے مندرمی کنند

ایک دوسری غزل کے چند اشعار دیکھئے جو کہ حافظ شیرازی کے شعر پر تضمین ہے۔

این چہ شوریست کہ دریں دور قمری بینم
مردم بے خرداں اہل نظر می بینم
عزت نیست بہ مرداں دریں دھر خراب
خندہ نازنیاں ہم چو شکری بینم
گردن شرع نبی رازدہ اند حاکم دہر
مہر و دوسی در جہاں جملہ بزری بینم
دختراں دامن عصمت کہ بکردیدند بہ رہا
مادراں واقف اَسرار شری بینم
پسراں راہمہ جنگ است وجدل بمادر
پدراں بہر پسر تیغ و تبری بینم
اسماعیل پندونصیحت نہ کنی بہ مہہ رخاں
کار این دہر سراسر بخطر می بینم

مجھے اپنے دادا قاضی عبداللہ مرحوم کے پرانی کاغذات اور پرانی

کتابوں میں ملا اسماعیل کے اپنے خط میں تحریر کردہ دو نظمیں ملی تھیں۔ ان کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

قرۃ العین زہرا حضرت حسن
صدق دل دارم محبت بہ حسین کربلا
خواجہ زین العابدین بہ باقر جعفر تمام
سر فدا سازم بنامت یا علی موسیٰ رضا
بافریدالدین عطار، بایزید مرد حق
شمس تبریزی بفریادم برس بہر خدا
رحم کن یا رب بمن ہستی تو خیر الراحمین
ہمقریں گرداں مرابہ مصطفیٰ یوم الجزا

☆

والی جیلاں تو باشی اے شہ والا سریر
عاجزم افتادہ ام بہر خدا دستم بگیر
التجا آوردہ ام درگاہ تو پیران پیر
شاہ محی الدین تو ہستی دستگیر
نام تواز حق شدہ سر دفتر کل اولیاء

اصل بنیاد تو است از شہید کربلا
قفل ہر مشکل ہائی این مسکیں شکن
شاہ جیلانی تو ہستی دستگیر

آپ نے پچھتر سال کی عمر میں ۸ صفر ۱۳۷۸ ہجری بمطابق ۱۹۵۸ء میں وفات پائی۔ میرے پیارے دوست صدیق آزاد نے بلوچی دنیا اپریل ۱۹۶۴ میں بشیر بیدار صاحب کے اسماعیل پل آبادی پر لکھے گئے مضمون (مطبوعہ بلوچی دنیا مارچ ۱۹۶۶ء) کی تصحیح کرتے ہوئے ۱۹۵۸ء میں ان کی وفات کی تصدیق کی ہے کہ ملا اسماعیل ۱۹۵۸ء کے اوائل میں وفات پا گئے۔ جب وہ گورنمنٹ ہائی اسکول تربت میں زیر تعلیم تھے اور وہ اپنی آنکھوں کے علاج کے لئے تربت آئے تھے اور ان کے ہاں مقیم تھے۔

افسوس ہے کہ ملا اسماعیل کا فارسی اور بلوچی کلام ابھی تک شائع نہیں ہوسکا ہے اور ان کے بڑے صاحبزادے حمزہ پل آبادی تمپ سے خاندانی دشمنیوں کی بنا پر جائدادیں فروخت کر کے صوبہ سندھ میں کہیں سکونت پزیر ہیں۔ شاید ان کے قلمی نسخے ان کے پاس محفوظ ہوں۔ انکی اشاعت کے لئے ان سے رابطہ ضروری ہے۔ میرے ایک دوست عبدالرحمٰن رئیس، استاد ہائی اسکول نظر آباد تمپ نے مجھے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ ان کے پاس ان کا دیوان

تھا جوان سے ایک مہربان عبدالرحیم سکنہ شاہی تمپ لے گئے تھے مگر اس واپس نہیں کیا اور وہ خود آج کل دوحہ قطر میں بہ سلسلہ ملازمت مقیم ہیں۔ آخر میں ان کی ایک نعت ملاحظہ کریں۔

یا محمد مصطفیٰ باشم فدا بروئی شما
کہ بود یا رب بیا یم من بہ جان سوئی شما
برگزید است حق تعالیٰ از ہمہ پیغمبراں
نور قرآان آمد چوں شمس از روی شما
نام تو حضرت محمد سلطان دین
کفر از عالم برون شد بہ زور بازوئے شما

قاضی عبدالصمد سربازی

قاضی عبدالصمد سربازی ۱۹۱۴ء میں سرباز کے سادات گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شجرہ نسب یوں ہے۔ قاضی عبدالصمد بازی بن اخوند ملا عبدالعلی بن کمال الدین گشتی بن میر سنجر خان بن میر فخر الدین بن سید شیخ جلال بن شیخ سید عبداللہ ہے۔ ابتدائی تعلیم مولوی عبداللہ سربازی اور مولوی گل محمد صاحب بمپوری سے حاصل کی۔ پھر متداول علوم میں کامل دستگاہ حاصل کرنے کی خاطر مظہر العلوم کھڑہ کراچی اور مدرستہ نعمانیہ دہلی میں زیر تعلیم رہے اور حضرت مفتی کفایت اللہ کے مشہور زمانہ مدرسہ اعنیہ دہلی سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر وطن واپس جانے کے لئے کراچی آئے اور یہاں مولوی محمد عثمان صاحب کے مشورے پر وطن جانے کے بجائے مدرسہ اسلام ریکسر لائن کراچی میں درس وتدریس کے فرائض انجام دینے میں مصروف ہو ئے۔ پھر مظہر العلوم (کھڑہ کراچی) سے وابستہ ہو گئے۔ دو سال کے بعد

قلات آ گئے اور خان میر احمد یار خان سربراہ ریاست قلات کی فرمائش پر قرآن کریم کے بلوچی ترجمے کا کام شروع کیا۔ ۱۹۴۲ء میں خان صاحب نے آپ کی تقرری بحیثیت قاضی کر دی۔ پھر ۱۹۵۳ء میں نائب ناظم محکمہ معارف مقرر ہوئے۔

وحدت مغربی پاکستان کے قیام پر ۱۹۵۵ میں اس ادارے کا نام بدل کر مجلس شوریٰ رکھا گیا اور اسے باقاعدہ عدلیہ سے منسلک کیا گیا۔ مجلس شوریٰ قاضی صاحبان کے دیوانی فیصلوں کے خلاف اپیل سننے کا ادارہ ہے۔ اور ابھی سی شکل میں بلوچستان میں قائم ہے۔ آپ ۱۹۷۵ سے تبلیغی جماعت سے منسلک تھے ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد ۱۹۷۵ میں وفات پائی۔ آپ کے اہل وعیال قلات میں رہتے ہیں۔

آپ فارسی اور عربی کے مستند ادیب وشاعر تھے۔ آپ کا فارسی کلام ۱۹۳۷ سے اخبارات ورسائل وجرائد میں چھپتا چلا آ رہا ہے۔ ایک کتاب منظوم ''ارمشان ذکریاں'' ۱۹۳۸ میں لکھی۔ قرآن شریف کا بلوچی ترجمہ ۱۹۸۷ میں چھپ گیا ہے۔ ایک اور کتاب طبر اسلام برکھور ذکریاں بھی فارسی میں شائع ہو چکی ہے۔ مولانا صاحب اخبار البلوچ کے مدیر بھی رہے۔ بلوچ اور بلوچستان کی تاریخ پر کئے مقالے سپرد قلم کئے۔ (مولوی صاحب کا

یہ تعارف جناب کامل القادری صاحب کے مقالے فارسی گویان بلوچستان مطبوعہ بلوچی دنیا ملتان ماہ مئی ۱۹۶۹ سے اخذ کیا گیا ہے) آپ فارسی کے علاوہ اردو، بلوچی اور عربی میں بھی شاعری کرتے تھے۔

قاضی صاحب نے سرباز سے کرای میں آمد دہلی میں حصول علم کراچی میں درس وتدریس، قلات میں آمد وقاضی کے عہدے پر تقرری اور بیرون ممالک کے سفر کے حالات کا تذکرہ اپنے منظوم سفر نامہ میں یوں کیا ہے۔

به نام خداوند دانائی راز — که آن مالک هر نشیب و فراز
سفر کرده بودیم به وقت شباب — به کسب علوم و درس کتاب
ز خویشان واحباب خود دور تر — خدائی از ایشاں چو تیر جگر
زسر باز بیرون ملک و وطن — به غربت به همراه رنج و محن
زمکران سفر تابه هندوستان — جدا گشتم از خویش و از دوستان
به مرادنگی تابه دهلی شدم — کشش بود با عزم و همت بدم
چه شهر یست دهلی پر از علم وفن — بزرگان دانا به هر انجمن
درآن جاهمه رونق علم و دین — بباید سفر دور تر تابه چین
پساز محنت و کوشش چند سال — برون رفتم از قیم جهل وضلال
ازاں خوان چوں بهره ئے یافتم — زا حباب دهلی عنان تافتم
بکردم بسی در کراچی قیام — به تدریس مشغول بودم تمام

به ارشاد عثمان خان مولوی — بزرگے است دانائی دیم معنوی
دآنجا شدم پابند عیال — به درشد زاد گیہائے خیال
ازاں بعد از گردش چرخ دون — ہمی آمدم از کراچی برون
شدعا قبت منزل درقلات — به فرمان خان جمیع الصفات
ہمیں بود قسمت کہ قاضی شدم — به امر خداوند راضی شدم
درین عرصہ کردم سفر ہابسی — تمتع زہر گوشہ و زہر کسی
به ایران و ترکیہ نجد و عراق — زا حباب خو خویش خود در فراق
بگشتم بسی عرصہ درشام روم — ولی گشتہ محروم از زاد و بوم
سفر تابہ فلپائن از ارض شرق — به طیارہ تیز رو ہمچو برق
ازاں بعد احباب و خویشان من — شکایت بکردند درشان من
زسرباز و بمپور از زاہدان — شکایت قوی حق به جانب بدان
بگفتند کہ ایمرد حق ناشناس — جدائی زخویشان خود تابہ چند
فراقت مزیداز چہل سال گشت — زبے التفاتی مزاجت نہ گشت

دیگر قدیم شعراء کی طرح آپ کی یہ تضمین بہت مشہور ہے

حادثاتی کی دراین دور قمرچی بینم — عالم راہمہ سر گشتہ ز شرمی بینم
انقلابی کہ دراین عصر پدید آمد است — خوب چوں می نگرم زیر و زبرمی بینم

بعد از تجربہ گویم نہ از وہم و گمان
در سفری نگرم ہمہ بہ خطری بینم

امن جویان جہاں قاتل نوع انسان
ہمہ اطراف جہاں پر زخطری بینم

رستم دہر مسلح شدہ از راکت و بم
ہمہ آفاق پراز برق و شرری بینم

در آفات کشادہ زسماتا بہ زمین
درفضا آفت در خشکی و بتری بینم

پاسبان جہاں رھزن امن اندوامان
حال این گیتی فرسودہ بتری بینم

قحط و آفات ز لازل ہمہ آفات زمان
روز و شب می شنوم شام وسحری بینم

دربغل ناول وافسانہ و دردست اخبار
وقت مہجوری قرآن و خبر می بینم

عالمی روبہ سینما وکلب ہا دارد
حالت مسجد و محراب بتری بینم

نیک رازشت شمارندو بدی رامرغوب
این چہ فکر یست کہ درنوع بشری بینم

دشمنی بین کہ مسلمان دارد
کافراں راہمہ چون شیر وشکری بینم

یارب این راہواں رابہ سلامت برساں
رھزناں راہمہ دردست تبری بینم

گوئی ایمان بہ سلامت چوں میروی سربازی
بس ہمین کار تواز فتح و ظفری بینم

میر محمود خان گچکی

آپ بلوچی اور فارسی میں طبع آزمائی کرتے تھے سردار محراب خان گچکی کے صاحبزادے تھے۔ میر صاحب کے بڑے بھائی احمد خان گچکی بھی بلوچی کے نامور شاعر تھے جو جوانی میں وفات پا گئے۔ میر صاحب کے چھوٹے بھائی بلوچ سیاستدان اور بلوچی کے نقاد ڈرامہ نویس دانشور امان اللہ گچکی ہیں۔ آپ ۱۹۱۹ میں بمقام کوشقلات تربت میں تولد ہوئے۔ ۱۹۲۹ میں والد صاحب کی وفات کے بعد تربت سے پنجگور چلے گئے اور آخر دم تک وہیں سکونت اختیار کی۔ ۱۹۸۸ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ وہ مغربی پاکستان صوبائی اسمبلی کے مکران سے رکن رہے۔ قیام پاکستان سے قبل خان قلات احمد یار خان نے ریاست قلات میں وزیر عدلیہ مقرر کیا۔ قیام پاکستان کے بعد وزارت سے استعفیٰ دی اواپس پنجگور چلے آئے۔ کامل القادری صاحب اپنے مقالہ بلوچستان کے فارسی گوشعرا میں لکھتے ہیں کہ

''میر محمود خان کا شاعرانہ مزاج بلوچی شاعری کی کلاسیکی روائیوں کے زیر اثر

پروان چڑھا اور انہوں نے بلوچی اور فارسی میں شعر کہنا شروع کیئے۔ لیکن چونکہ بلوچ معاشرے میں کسی معزز خاندان کے آدمی کیلئے شعر گوئی وجہ افتخار نہیں ہے۔ اس لئے وہ اپنا کلام رازداری کے ساتھ گویوں یعنی پہلوان شعرا کو سنانے کیلئے بخش دیا کرتے تھے۔"

میر عیسیٰ قوی مرحوم کو ان کی ایک طویل بلوچی نظم یاد تھی اور اکثر دوستوں کی محفل میں وہ سناتے تھے۔ جس کو میں نے بھی اپنے ایک دفتر میں لکھا ہے اور کئی بلوچی رسالوں میں شائع بھی ہو چکی ہے۔ جس کے کچھ مصرعے یوں ہیں۔

جی کپوت میتاب ءِ غریب طرزیں
چم تئ سہر و بانزلنت سبزیں
زور دل ءِ رازاں مرغ شکر لوزیں
برہمودا کہ گوات گریں زرّیں

ترجمہ:

میتاب کے اے مسکیں صورت کبوتر آ
تیری آنکھیں سرخ اور تیرے پر سبز ہیں
اے شکر لب الفاظ کے کبوتر

میرے دل کے راز لے جا
وہاں جہاں میری محبوب کا
پر ہوا اجلا محل ہے

کامل القادری کی تحریر کے مطابق میر صاحب کا اپنا بیان ہے کہ والد ماجد کی وفات کے بعد میں تربت چھوڑ کر پنجگور چلا آیا تو منجملہ دیگر اسباب بیاض بھی تربت کے مکان میں رہ گئی'' آپ کے اپنے بیان کے مطابق آپ اپنا فارسی کلام تربت کے قاضی عبداللہ ہوت کو دکھایا کرتے تھے۔ اس لئے میر صاحب کا فارسی کلام اب دستیاب نہیں ہے۔ البتہ کچھ فارسی ابیات باقی ہیں جو پیش خدمت ہیں۔

دوش از بسکہ زہجر تو دل آزار شدم
گل بدیدم بچمن روئے تو یاد آمد
خاردر پائے دلم رفت زخم زار شدم
نرگسے در نظرم جلوہ نمود ناگاہ
چشم مستت بخیال آمد و بیمار شدم
سنبلے از کاکل مشکین تو داد نشان
زخم دل خوردم و پیچیدہ چو مار شدم

ایک دوسری غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

شوق کہ بجز دیدن دلدار نہ دارم
میل بہ گل و گلشن و گلزار نہ دارم
شادم کہ رخ دوست ز خود مخبری کرد
زآن رو جزاز طعنہ اغیار ندارم
رخ برصنم او، دل بخیال در کوئش
حاجب بہ دوصد تسبیح و زنار ندارم

میر عبداللہ جنگی

میر عبداللہ جنگی گیارھویں صدی ہجری میں ایرانی بلوچستان کے علم پرور شہر قصر قند کا حاکم و سردار تھا۔ آپ کا تعلق بلوچوں کے بلیدی قبیلہ سے تھا۔ آپ کے بارے میں شہ محمد درفشاں نے ایک جگہ یوں کہا ہے۔

یکے عارفے در قصر قند بود
کہ در معرفت معدن پند بود
زکشف وَ رامات بداں پایہ بود
کہ خلق خدا بر سر ش سایہ بود

وہ عربی و فارسی کے شاعر تھے اور فارسی نثر میں بھی ایک کتاب لکھی ہے جو کہ ''سفر نامہ مہدی'' کینام سے موسوم ہے۔ فارسی اور عربی کلام کے نمونے ملاحظہ ہوں

کی کشایم از سر صدق عبودیت زبان
گویم از جان حمد خلاق زمین و آسمان
خالقی از جرعہ خاک آور د آدم راظہور
تاج کرّ منا بفرق سر نہادہ احتشام
مختصر گفتم سخن تا نظم تو آگاہ شود
طالب جان گشت داعی را غلام رائگان
طالب جان گشت داعی را غلام رائگان
کہتری عبداللہ چراغ ہر دو کون
پیروی اوتار نور اولین و آخرین

☆

قلبنا راعتاً علی الدنیا
فی العیوب شہوداً عروماً
مشتغل فی لبطول حب فنا
متوصل علی زین غنا

میر علی شیر جنگی

آپ قصر قند کے حاکم سردار میر عبداللہ جنگی بلیدی کے لڑکے تھے۔ شہ محمد درفشاں کے ماموں تھے۔ ان کی شاعری کا کمال ان کی غزلیات سے عیاں ہے اور تمام شاعرانہ صنفوں میں وہ اس صنف میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں زبان وخیال و معنی کی خوبیاں موجود ہیں۔

وہ اپنی محبوبہ کے چیرے ے پردہ اٹھانے کے تجربے کو یوں بیان کرتے ہیں۔

سر بسر از من ربود علیم و خرد ہرچہ بود
برقعہ از رخ چوں بکشود سوخت دل و جان من

عشق کی راہ پر گامزن عاشقوں کی آخرکار کامیابی اور مراد پانے کے بارے میں کہتے ہیں۔

ہر کہ امروزراہ عشق گرفت
آخر کار او بُرو مند است

یادمحبوب میں دل کی بیقراری کے عالم کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

روز و شب از فراق می نالم
ہمچو مرغے کہ در قفس بنداست

فراق محبوب میں جلنے کا تجربہ یوں بیان کرتے ہیں۔

دلبر بائی بے مثالی آ ہوئے طرفہ غزالی
من چودانہ در فراقت می زنم دردیگ جوش

محبوب کے وصال کو چکھنے کے بعد دوسری ہر چیز تلخ ہو جاتی ہے۔

تلخ است بکام ہمہ شیرین جہاں
تامیوہ وصل تو چشیدیم چشیدیم

محبوب کی خوبصورتی ملاحظہ ہو

بت لالہ رخ و سنگین دل و سنگین بدن
یا چو ماہیست از برج سما افتادہ است

شہ سلمان

آپ ذکریوں کے ملک الشعراء درافشان کے پسر ارجمند تھے آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے والد نے خود کی اور تمام شاعرانہ صلاحیتیں ان کے فیض تربیت کے طفیل پروان چڑھیں۔ آپ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے والد کے زمانے ہیں میں شاعری شروع کی تھی کیونکہ آپ کے والد نے اپنے کچھ اشعار کا زمانہ ۱۱۵۷ ہجری بتایا تھا اور آپ نے اپنے کچھ اشعار کا زمانہ ۱۱۷۸ ہجری بتایا ہے جیسا کہ کہتے ہیں۔

گویم ثنائے کردگار

ہمہ بادشاہ برقرار

صفت گو پروردگار

رحمے بکن اے پروردگار پردہ پوش

سبحان لاعلمنا

الا ولم ماعلمتنا

آن صاحب سر و وفا

رحمے بکن اے پروردگار پردہ پوش

تاریخ این ابیات را

ختم الحروفیات را

روشن شد این ظلمات را

رحمے بکن اے پروردگار پردہ پوش

الف سبعہ وثمان

۱۰۵۷

از ہجر سیح مرسلاں

تحریر شد در دزبان

رحمے بکن اے پروردگار پردہ پوش

گوید سلماں زمان

در آشکار و در نہاں

توحید حیٔ انس و جان

رحمے بکن اے پروردگار پردہ پوش

ان کا کلما عار خانہ اور نعتیہ ہے۔

شہ گل محمد

شہ گل محمد کے لکھے گئے قلمی نسخہ میں جس کی کتابت ۱۳۴۳ ہجری میں مکمل ہوئی ہے اس کے پسندیدہ دیگر شعراء کے فارسی کلام کے علاوہ آپ نے اپنے بھی کچھ اشعار لکھے ہیں آپ شہ محمد درفشاں کی اولاد میں سے ہیں آپ کے والد کا نام شہ عبدالرحمٰن تھا اور ایرانی بلوچستان کے شہر قصر قند کے رہنے والے تھے۔ مگر بعدازاں کیچ میں نقل مکانی کر کے آباد ہو گئے۔

۷۰ سال کی عمر میں ۱۹۵۴ء میں تربت میں وفات پائی۔ آپ اپنی ایک نظم میں اپنے اصلی وطن اور مسکن کے بارے میں کہتے ہیں۔

گر کسے پرسد بلاد این مسکین
فی البلاد از لاد قصر قندان
از سکونت نشتہ ام در کیچ

مسکن ام است ملک در مکران

آپ کا کلام عارفانہ اور عشق و عرفان و معرفت سے لبریز ہے

بیا ساقیا بادہ جام دہ
کہ یک جرعہ نو شم پیالہ بدہ
چون توفیق باشد مرا کارساز
کنم نظم توصیف آن بے نیاز

☆

عجب راست کردہ است آن کردگار
زمین وزمان صغار و کبار
اول بنام بے نیاز
تو واقف سر نیاز
رحمے بکن اے کارساز
مسکین تو گل محمد عیان
روز و شباں تسبیح خوان
رحمے بکن اے کارساز

☆

بیا اے مومن صابر
بگو صلواۃ پیغمبر

شدی از عشق او صابر
بگو صلواۃ پیغمبر

خداوند تو معبودی
توئی بے مثل مانندی
توئی یکتا و برحقی
بگو صلواۃ پیغمبر

☆

خطا کردم بسے عصیان یارب
توئی واقف ہمہ احوال یارب
توئی اے بادشاہ بے وزیری
توئی یکتا و بے ہم تا یارب
امیدوار است گل محمد بدرگاہ
امید برآراز لطف یارب

ملا ابا بکر

آپ کا تعلق ذکریوں کے ملائی خاندان سے ہے اور کیچ (تربت) مکران کے رہنے والے تھے۔ شہ گل محمد نے آپ کی صرف ایک نظم اپنے بیاض یں تحریر کی ہے اور شہ عبدالرحمٰن نے بھی یہی نظم اپنے نسخہ میں لکھا ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ابتدا کن بگو قل ھواللہ
ذات پاک بے شگون جل اللہ
بار عصیان ز قلب و گرد نم بردار
ترک باطل ز نفس مابردار
واحد و پاک لا شریک حمد اللہ
ذکر تو حید لالہ الا اللہ
زنگ ظلمات ز قلب مابردار
ذکر توحید لا لہ الا اللہ

شہ نصیر الدین

آپ کا تعلق ایرانی مکران کے شہر قصر قند سے ہے اور شہ محمد درفشاں کے نواسے ملا خیر اللہ کے فرزند تھے اور فارسی شاعر شہ جلال کے بھتیجے تھے۔ ذکریوں میں آپ کے والد ملا خیر اللہ کے زہر و نقوی کی داستانیں مشہور ہیں۔ نمونہ کلام:

زشر نفس امارہ نگاہم دار یااللہ
ہوائے غیر خود کل زمن بردار یا اللہ
اگرچہ پرگنا ہم من ترا غفارمی دانم
بہ بخشا جرم عصیاں ام توئی غفار یااللہ
شکستہ دل ہمی نالد بدر گاہت نصیر الدین
دل رحمت فراون کن کرم بسیار یا اللہ

شہ امانی

آپ ایرانی بلوچستان کے علاقہ آشار کے رہنے والے تھے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں خان قلات نصیر خان نوریکے ہمعصر تھے۔ میر نصیر خاننوری اور ذکریوں کے حامی لشکروں کے درمیان تربت میں میری کے مقام پر جولڑائی ہوئی تھی اس میں آشاریوں کے ذکری لشکر کے سالار کی حیثیت سے حصہ لیا تھا۔ اس جنگ میں نومسلم شہ عمر گچکی حاکم وسردار کیچ جان بحق ہوئے تھے۔ جن کی قبر میری کے قریب بگ کے گاؤں میں ہے۔ وہ بھی اپنے دور کے شعراء کی طرح زیادہ تر مذہبی مضامین پر اظہار خیال کیا کرتے تھے ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک جید عالم تھے اور فکر وسخیل کے بلند مرتبے کے حامل تھے ذکر وفکر کو لازم وملزوم تصور کرتے تھے۔

غافل مشواز ذکرش، جاہل مشواز فکرش
بے ذکری و بے فکری چہ کار آید

موت کے ایقان دنیا کی بے ثباتی اور فانی ہونے کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

اے دل نظر کن کہ جہاں با غم است
این کہنہ وجود بکس نکر دست

☆

کسے از شجر رونق او میوہ نہ خوردہ ست
مرگ آمدن است ز تو باز نگردد

☆

خمار بسے باشم دلدار کسے نیست
مجروح بسے باشم تیمار کسم نیست
گمارہ بسے باشم غمخوار کسم نیست
مرگ آمدن است زنوباز نہ گردد
دلا خیز خطر کن اجل گردنو گردد
زین جاتو گذر کن اجل گرد تو گردد

نوجوانی اور پیری کا موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

جوانی چوں درخت میوہ دار است
گل در ہجرت بوستان کنار است
عجب فصل و بہاراں نوجوانی
بہ پیری می رسی مانند خاراست

ان کی اخلاقی شاعری میں ادب وآداب کا ذکر یوں آتا ہے۔

آنکہ در عشق می نازند
بہتر آنند کہ بہ ادب می نازند
با ادب سنگ می شود گوہر
بے ادب کمتر اندز گاؤ و خر
با ادب خام می شود پختہ
بے ادب پختہ می شود سختہ

ان کی غزلیں بڑی جاندار روان اور شستہ ہیں۔

ما عاشق رائے کاکل تو ٹیم
مائل بررخ خوب دل آرام توئیم
من گنج نہا نم کہ چنیں ابدال ام
تو جان جہاں سربردار الم

☆

دروقت سحر گاہی رفتم بتماشائے
دیدم گل رعنائے اما کہ نمی گویم
آشفتہ شدہ زاں گل سر گشتہ بشد بلبل
از رونق رنگ گل اما کہ نمی گویم

اس طرح امانی کی شاعری حمد نعت، اخلاق اور عشق کے خیالات سے مترشح ہے۔

جلال کمالان

آپ کا والد کا نام کمالان تھا۔ آپ بھی ذکری شیخوں کی روایت کے مطابق قصر قند کے رہنے والے تھے۔ آپ کے زمانے میں وہاں ایک وبا پھیل گئی جس سے بہت نقصان ہوا۔ آپ نے اس وبا کی داستان غم کو نظم کا جامہ پہنایا۔ اس نظم کا ایک شعر ہے۔

اربعین بود تسع الف و معاۃ
از پے یاد می گفتم یاد گار جلال خستہ راہ

(۱۱۴۷ھ)

اس طرح اس نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے۔ آپ نے بڑی اچھی شیرین اور روان غزلیں لکھی ہیں۔ جن پر عارفانہ رنگ چڑھا ہوا ہے۔ ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ کریں۔

بیا اے ہمدم جان سحرگاہ سوئے بستان شو
تماشائے چمن بنگر صدائے بلبلاں بشنو
ہزاراں کبک در کہسار می نالند بہر یار
برو ہر صبح در گلزار ندائے طوطیان بشنو
اگر از اہل عرفانی امورِ عاشقاں دانی
کلام پاک یزدانی بیا از عالمان بشنو
جلال ابن کمال خان ام
بہر نوعی خوانم برائے طالبان بشنو

آپ نے اخلاقی شاعری بھی کی ہے اور پند ونصائح کے موضوع کو اپنایا ہے۔ دنیائے فانی کا ذکر کر کے لوگوں کو یوں نصیحت کرتے ہیں۔

غافل چہ ہستی در جہاں۔ بے چارہ مسکین آدمی
مرگت بگیرد ناگہاں۔ بے چارہ مسکین آدمی
راہ سفر آمادہ کن۔ بے چارہ مسکین آدمی
خود را چو مرداں سادہ کن۔ بے چارہ مسکین آدمی
چندین چہ گونی اے جلال۔ کوتاہ کن این قیل وقال
وقت سحر گاہاں بنال۔ بے چارہ مسکین آدمی

آپ نے مناجات بھی لکھے ہیں۔نمونہ ملاحظہ کریں:

اے خالق فریاد رس جز تو ندارم ہیچ کس

برحال زار ما برس یارب مرا فریاد رس

تو صاحب جود و عطا ما بندہ باجرم و خطا

تو مستجیب و ما دعا یارب مرا فریاد رس

ما خاکسار و درد مند از نفس شیطان درگزر

گوید جلال مستمند یارب مرا فریاد رس

عبادت وطاعت کے بارے میں کہتے ہیں۔

اشہدالا الہ الاھو

وحدلا الہ الاھو

کہ ہر روزہ است

حج وزکوٰۃ

طاعت لا الہ الاھو

از قرآن اذکر کن

رفعت لا الہ لاھو

افضل الذکر در حدیث رسول

کلمہ لا الہ الا اللہ

ملا عزت

آپ سرباز کے رہنے والے تھے۔ شہ گل محمد اور عبدالرحمٰن نے اپنے مسودوں میں ان کی صرف ایک نظم نقل کی ہے جو دو مسودوں میں ایک ہی طرح درج ہے، جس سے نمونہ ملاحظہ کریں:

اے دلاخیز خوان نعت رسول انس و جان
آن شفیع یوم محشر ماہ دمالار جہاں
اے بدرگاہ رفیع محرم و اسرار دان
چشمہ علم الیقین از کرم بار دبیان
گویم عزت از دل و جان نعت آن سلطان دین
بلبل باغ جنان و نور رب العالمین

ان کی زندگی کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

تاہم یہ آپ کے علم میں لانا ضروری سمجھتا ہوں کہ بلوچی کے شاعر ملاعزت پنجگوری سرباز گئے تھے اور کئی سال وہاں رہے۔ جیسا کہ عام بلوچی روایت ہے اور جیسا کہ میر محمود خان گچکی نے کہا ہے اور کئی ادیبوں بشمول کامل القادری نے لکھا ہے کامل القادری کے مطابق وہ فارسی میں بھی شاعری کرتے تھے اور ان کی اولاد بشمول ملا ولی محمد فارسی کے اعلیٰ پائے کے شاعر تھے۔ پتہ نہیں یہ ملاعزت وہی ملاعزت پنجگوری ہیں یا کوئی دوسرا۔

عزیرلاری

آپ ایرانی بلوچستان سے تعلق رکھتے تھے اور میر نصیر خان نوری کی فوج میں ملازم تھے۔ اس کے علاوہ خان صاحب ان کو تبلیغ دین وعظ و موعظمت کے سلسلے میں مختلف علاقوں میں بھیجا کرتے تھے۔ نمونہ کلام:

اے دل مکن گناہ کہ تحقیق مردن است
اعمال نیک کنی کہ قیامت رسیدن است
اے دل سفرز دنیا تحقیق کردن است
زین دار بے بقادراں دار رفتن است
صبح اجل ز مطع عمرت رسیدن است
تو شہ براہ ساز کہ تنہا روئی بگور
با منکر و نکیر جواب ترادادن است

☆

یقین می دان درین نیالا معبود الا ھو
ولا موجود فی الکونین لا مقصود الاھو
چو تیخ لا براست آری تہنا چہ غم داری
مجو از غیر حق یاری کل الغنا الاھو

ملا مدی خان

آپ کا نام مدی خان تھا اور مذہبی علوم میں دسترس کی وجہ سے ''ملا'' آپ کے نام کا جزو بن گیا۔ آپ ایرانی بلوچستان کے علاقہ ''آشار'' کے رہنے والے تھے۔ شہ گل محمد نے اپنے نسخہ میں آپ کی دو طویل نظمیں نقل کی ہیں۔ جن کا انتخاب درج ذیل ہے۔

بگویم حمد خالق بردل و جان
مرا راہے نماسوئے ایمان

☆

دروغ و غیبت فتادور منطقاں
ذکر و تسبیح و ذاکراں رفتند
مرشداں خود بخود گمان دارند
رشتہ از دست طالباں رفتند
اے مدی خان تو شہ خودرا
کن مہیا کہ کاروان رفتند

ملا ابراہیم کاشانی

آپ کا نام مرزا محمد ابراہیم تھا۔ پنجگور میں موضح تسپ کے باشندے تھے اور کاشانی قبیلہ کے فرد تھے۔ زکریوں کی روایات کے مطابق آپ میر نصیر خان نوری کے ہم عصر تھے۔ اس طرح اٹھارویں صدی عیسوی کے شاعر تھے۔ آپ ایک عالم و فاضل تھے اور پنجگور میں قاضی کے عہدہ پر مامور تھے۔ پھر قاضی کا عہدہ چھوڑنے کے بعد پنجگور سے نقل مکانی کر کے ربیت میں سکونت پذیر ہوئے اور یہاں ذکری فرقہ کا مسلک اختیار کیا۔

آپ نے ابیات و غزلیات کہی ہیں۔

شہ گل محمد کے قلمی نسخہ میں آپ کا کلام ایک سو چودہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جن میں سے ننانوے صفحات آپ کے قصیدے و مناجات اور ۲۲ صفحات آپ کی غزلیات پر مشتمل ہیں۔ جبکہ شہ عبدالرحمٰن کے قلمی نسخہ میں آپ کا کلام ایک ہی ترتیب میں نہیں ہے اور بکھرا ہوا ہے۔ البتہ بعض اشعار ایک ہی صورت میں قلمبند ہیں۔ شہ گل محمد کے قلمی مسودے میں آپ کا

دیوان اس حمد سے شروع ہوتا ہے۔

می گشایم از سر صدق دل و جان بازبان
گویم از دل وصف حمد خالق ہر دو جہاں
صانعی کہ از ضع او نقش و نگار بعالمے
نطفہ رابند د نگار و رنگ صورت درزمان
نطفہ را بندد نگار و رنگ صورت در زمان
حاکمے از حکم او برگ از شجر آید برون
گل دہد فصل و بہار برگ ریز آرد خزاں
خالقے کہ از کفچہ خاک آورید آدم بدید
از نہاد قدرت او شد زمین و آسمان

پیغمبر ﷺ کی صفت وثنا ایک نعت میں یوں کرتے ہیں۔

بعد از ثنائے ایزد داور ذوالمنن
نعت رسول گویم کہ از خلق بہتر است
آن گوہر کرامت دریائے معرفت
شش نقطہ ز او چکیدہ دانی کہ مہتر است

ملا ابراہیم کاشانی غوث اعظم محی الدین جیلانی کے بڑے عقیدت مند تھے ان کی شان میں کہتے ہیں۔

معلیٰ حب سبحانی مقدس قطب ربانی
علی سیر حسن ثانی محی الدین جیلانی
زہے سیمائے نورانی زہے فرخندہ پیشانی
کمال حسن انسانی محی الدین جیلانی
رخش لعل بدخشانی لبش یعقوت اومانی
حدیث از فیض حقانی محی الدین جیلانی
بما نند پیر کنعانی بصورت یوسف ثانی
زہمت شاہ مردانی محی الدین جیلانی
چنین باید ثنا خوانی اگر خواندن تومیدانی
کندہر مشکل آسانی محی الدین جیلانی

ایک حمد میں یوں کہتے ہیں۔

بنام خدائے چو تیر و ہدف
نہد نطفہ در اندر بطن
صدف بطن دروجود نطفہ دان
بر آوردہ خلق عجائب بدان
بر آورد شخصے ازیں خاک ذات
بسر در زمان پاک خاکش نہاد

غزلیات کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

بیا اے بلبل مدارے گریاں نالاں شو
فراق ہمدم جانی زسوزہا تو گریان شو
کبوتر جان من کو کوبزن گر تو غمے داری
بدہ شورے مرا ہر دم زحال ما پریشان شو
ایا ہد ہد جانی اگر مرغ سلیمانی
اگرغ در بند سجاجی بیا باما بفرمان شو
بیا طوطی رزلخوانی بکن با من اگر دانی
چو ماگر تو پریشانی مگر پئے ما تو گریان شو
خروس از چہ پریشانی مگر حالم نمیدانی
صدا بے وقت می رانی بذکرز ہدیاراں شو
براہیم گردلے داری بجوازآں کساں یاری
بسوز دردکن زاری بیاد امر سبحان شو

روایت ہے کہ اس نے تربت میں وفات پائی۔ایک شاعر میر حسن نے آپ پر یوں شعر کہا ہے۔

مرزا ابراہیم کو یاران جان تسلیم کو
آن مسجد تعظیم کو جملہ فنا جملہ فنا

نور محمد نوری

نور محمد نوری ایران کے علاقہ سرباز کے باشندے تھے اور ملائی قبیلے سے ان کا تعلق تھا۔ میں نے سہواً اپنے مضمون مکران کے فارسی گو شعراء مطبوعہ نوکیں دور مکران نمبر کوئٹہ میں اسے شہ قبیلہ کا بتایا تھا اور اسے بارہویں صدی ہجری کا شاعر لکھا تھا اور یہ غلطی اس لئے ہوئی کہ ایک پرانی قلمی نسخہ جو کہ محمد رضا ولد شہ جلال ملائی کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں اسے نور محمد ولد شہ جلال لکھا گیا تھا۔ لیکن حقیقتاً ان کا نسب نامہ یوں ہے۔ نور محمد نوری بن ملا ملک محمد بن ملا نور محمد ملا عبدالرحیم بن عبدالکریم اس طرح آپ کا جد اعلی تربت اور کلانچ میں رہنے والے ملائی خاندان کے جد اعلی ملا داد کریم کا بھائی تھا۔ ملا عبدالکریم اصل میں کولواہ ''دودر'' کے قلعہ کا حاکم تھا اور کولواہ کا رہنے والا تھا۔ مگر نصیر خان نوری کے دور میں احمد زئی خاندان اور مکران کے ذکری حاکموں کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو نصیر خان نوری نے ملا عبدالکریم کو

کیچ شہر بدر کیا کیچ سے وہ سرباز چلے گئے اور وہاں کوہ میتگ نامی جگہ پر اہل وعیال کے ساتھ رہنے لگے۔ ملانور محمد نوری کی پیدائش بھی سرباز میں ہوئی۔ وہ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے اور اس کی چار بیویاں تھیں جن میں تین کی اولاد سرباز میں اور ایک کی اولاد تربت میں قیام پذیر ہے۔

وہ ایک مذہبی عالم تھے اور طب میں بھی اسے دسترس حاصل تھا۔ انہوں نے شاری کے علاوہ فارسی نثر بھی لکھی ہے۔ جس میں دوست محمد باران زئی کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ اگر شائع ہو تو اس میں بلوچوں کی تاریخ کے کی گوشے روشن ہو جائیں گے۔

۶ ربیع الاول ۱۳۵۵ بمطابق ۱۹۳۶ء میں عبداللہ محمد سربازی کے آدمیوں اور ذکریوں کے درمیان جلیکور میں لڑائی ہوئی۔ جس میں کئی ذکری زعما قتل ہوئے۔ اس کے نتیجے میں نور محمد نوری جون ۱۹۳۶ میں ۱۲۰ آدمیوں کے ہمراہ مند آ گی ا۔ اور پھر پولیٹیکل ایجنٹ کے حکم پر دشت کے علاقہ نگور میں آباد ہو گیا۔ دو سال بعد یہ لوگ تربت شیہانی بازار میں متعقل ہو گئے مگر نور محمد نوری شہ شکر کے ساتھ کراچی روانہ ہوا تا کہ وہاں سے طہران جا کر شاہ ایران سے ملاقات کرے مگر کراچی میں ہی کلری لیاری کے علاقے میں

۱۹۳۷ء میں وفات پائی اور لیاری قبرستان میں مدفون ہوئے۔ایک شاعر بجار بخش قنبر شہدادزئی نے آپ کی وفات پر کہا ہے۔

نوری چوکار آہ و بقا ام سپر درفت
اینک ہم خون اودل بریانم آر زواست

نور محمد نوری کے مطبوعہ کلام ''گلشن مکران'' کی دو کاپیاں مجھے ملی ہیں اور ان کا مطالعہ کیا ہے ایک کاپی مجھے اپنے دادا قاضی عبداللہ کی کتابوں کے انبار سے ملی تھی جو دیمک زدہ تھی اور دوسری کاپی اس کی دوسری ایڈیشن کی تھی جو مجھے سید محمد نوری نے دی تھی جو کہ کراچی سے برکت اللہ ابن داد اللہ سربازی کوہ میتگی نے شائع کرادی تھی اس دیوان کے مطابعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ یہ کتاب ''خوشہ چین'' کے نام شہ محمد نوری نے ۲۳ سال کی عمر میں ۱۳۲۲ ہجر یمیں شائع کرائی تھی۔شاعر نے تاریخ طبع اول دراں وقت نام خوشہ چین بود'' کے عنوان سے چند ابیات لکھی ہیں۔جن میں سے کچھ یوں ہیں۔

بگویم بعد ازاں اصل معنی
زختم خوشہ چین داستانی
زہفتم از محرم روز جمعہ

بوقت ظہر شد ختم بیانی
ہزار روسہ صد و بیست دو بودہ

(۱۳۲۲ھ)

اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ''گلشن مکران'' کے نام سے ۱۳۵۱ ہجری میں شائع ہوا۔ طبع دوئم میں کتاب کا نام گلشن مکران رکھا گیا اس ضمن میں کچھ شعر یوں ہیں۔

تاریخ دویم گویم بیانی
زرسم ماہ و سال او نشانی
نمودم گلشن مکران خطابش
بہ اصواب اہل مکران
بسال نیک ماہ سعد شوال
شد مطبوع طبع ثانی
زپیری بار دیگر مغزجان یافت
کہ شد سر شار ز آب زندگانی
ہزار وہ صد وپنجاہ و یک سال
از سید آخر زمای

(۱۳۵۱ ہجری)

انہوں نے اپنے دیوان کی تیسری طبع کے وقت اس کا انتساب سردار حبیب اللہ خان نوشیروانی والی خاران کے نام کیا ہے اور اس میں اس کی دوسری غیر مطبوعہ رزلیں وابیات بھی شامل ہیں اور نواب خاران کا ایک قصیدہ بھی اس میں شامل ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں خود کو ملازئی لکھا ہے اور اپنے بارے میں لکھتا ہے کہ

مرا خود نور محمد اسم باشد
نو بابم را ملک محمد بخوانی
اگر از اسم جدی باز پرسی
مسمی نور محمد ثانی
کہ اسم بابش عبدالرحیم است
نسبت اصلاً بلوچ مکرانی
لقب ملازئی گویند مارا
زاصل کولواح اصل مکانی
درین شہر از غریبی افتادیم
بتقدیر قضائے آسمانی

ملانور محمد نوری کے دیوان میں حمد ونعت مناجات اور غزلیات شامل

ہیں۔آپ کی شاعری میں صوفیانہ وعارفانہ رنگ ہے۔نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

گر صد ہزار دلبر جلوہ نمود پیشم
این غم ہم میل دگرنہ کرد
عشق او درپردہ وحدت نہاں شد بیگماں
ہست آنجا منزل و ماوائے طیار گرد
از رموزت انا الحق برکمان بیخودی
صد ہزاراں شیخ منصور است بردار گرد

☆

من اندر خرقہ پشمین نہا نم
بقد دلبر دیبا است محتاج
نگار من قبائے ناز پوشید
مرا واقف نمود از سر مہناج

☆

آتشے افروختہ اندرو خودم،شعلہ زد
دیگ سینہ ہر زمان از شوق او آمد بجوش

☆

غم تو دل ام ماویٰ گرفتہ

هوائے خیر را از ماربودہ

☆

عکس روئش مثل آتش در دل وجان زدشرر
سو ختم در نار عشق نیستم از خود خبر
درفضائے کوئے یاراں صد ہزاراں دارہا است
برسر ہر دار صد منصور باشد مضطرر

☆

دوش سودائے جمال ات بدلم کرد ظہور
عقل و ہوش و خرداز من شدند مغرور

☆

عشق مجازی مارا ز سر تا بہ پا سو ختہ است
سرد کن این نار را اے خواجہ بندہ نواز

☆

نور محمد در مجلس آن سیم تن
تانسازی ترک جان ہر گز نباشی معتبر

☆

چو پروانہ بہ گرد شمع نوری
وجود خویش در آتش بہا کرد

☆

از میان آہ من بوئے کباب آید ہمے
زانکہ دارم نار عشق یار راندر جگر

☆

گرمی حشر را درجوئی
آہ چونار من بہ بین مپرس

☆

گرچہ سنگ بود محنت فراق حبیب
کہ دل بعشق نہاد یم ہر چہ باد اباد

☆

بودہ ام چو طوطی اندر قفس
میر و م در شکر بستان الوداع

مولانا عبداللہ پشتنی

مولوی عبداللہ روابند ایرانی بلوچستان کے شہر پشین میں ۱۳۰۵ ہجری بمطابق ۱۹۲۶ء قاضی یحیٰ کے ہاں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر می اپنے والد صاحب کے مدرسے میں داخل ہوئے اور فقہ اصول فقہ صرف نحو منطق فلسفہ ادب ریاضی علم بدیع علم کلام اور علم بیانکی تعلیمات اپنے والد ہی سے پائیں۔ کراچی میں مدرسہ مظہر العلوم کھڑہ سے حدیث کا علم حاصل کی اور دو سال بعد علم حدیث مکمل کیا اور پشین واپس چلے گئے۔ آپ کے خاندان میں نامور شعرا گزرے ہیں۔ جن میں سے ملا بہرام ملا ابراہیم اور مال موسیٰ مشہور ہستیاں ہیں۔ اسی طرح آپ کے دو چھوٹے بھائی مولوی عبدالحمید روابند اور محمد روابند اور دیگر عزیز ملا محمد نور مولوی عبداللہ مولوی عبدالاحد اور ملا در محمد و دیگر علماء و شاعر آپ کے خاندان میں موجود ہیں۔

آپ بلوچی فارسی اور عربی میں شاعری کرتے تھے۔آپ نے چار مندرجہ ذیل کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔	ترازوئے قلم	علم ریاضی پر ہے
۲۔	قطعات الزہب	فقہ ومذہب کے مسائل پر ہے۔
۳۔	عروج الفرائض	فقہی مسائل پر ہے۔
۴۔	نہر الفائز	عروج الفرائض کی شرح وتفسیر ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ چاروں کتابیں شاری میں ہیں۔اس کے علاوہ نثر میں ''تحرید التجوید'' نامی کتاب لکھی ہے کہ علم تجوید پر ہے یعنی الفاظ کے صحیح تلفظ اور صوتیات پر ہے ایک اور کتاب ''القواعد والفوائد'' ہے جو کہ گرائمر پر ہے۔

مولوی عبداللہ پشینی پانچویں مرتبہ حج کے بعد واپسی پر قطر ریاست کی حدود میں موٹر کے حادثہ میں بروز اتوار ۷ اگست ۱۹۸۸ کو جان بحق ہوئے۔

آپ کے خطبات ریڈیو زاہدان سے بلوچی میں نشر ہوئے اور پورے بلوچستان اور بلوچی دان علاقوں میں شوق سے سنے جاتے تھے۔ابھی تک آپ کا فارسی عربی ور بلوچی کلام کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا

ہے۔صرف ایک بلوچی نظم ''مکران ءِ شعر'' کے نام سے اشرف سربازی نے مرتب کی ہے اور بلوچی اکیڈمی کوئٹہ نے ۱۹۹۱ میں شائع کی ہے۔

حرف آخر:

یہ بڑھ دکھ کی بات ہے کہ اکیسویں صدی میں داخل ہونے تک کئی بلوچ شعرا کا کلام جو مختلف زبانوں میں ہے ابھی جمع کر کے شائع نہیں ہو سکا ہے ان میں فارسی کے بہت سے نامی گرامی شاعر بھی شامل ہیں۔جن میں سے کچھ کا تذکرہ میں نے اپنے اس مضمون میں کیا ہے۔اور بہت سوں کا ذکر ابھی باقی ہے۔جن میں ملا عزت پنجگوری، محمد یوسف پنجگوری، علی جان، نبی بخش، جلال میرواڑی، ملا جنگیان، ملا شاھو پل آبادی، ملا قاسم چاوش، ملا بو ہیر بن جلب، ابن جام اور مولانا خوش قدم جنگی جیسے نامی گرامی شعرائے مکران شامل ہیں۔اسی طرح سندھ، بلوچسان اور ایرانی بلوچستان میں کئی نامور فارسی شعرا گزرے ہیں جن پر تحقیقی کام کرنا ہو گا۔کاش کہ مقتدر ادارے اس جانب توجہ دیتے اور کوئی منصوبہ بندی کرتے۔

مآخذات

۱۔ بلوچ فارسی گویاں — از کامل القادری — بلوچی دنیا، ملتان مئی ۱۹۶۹

۲۔ مکران کے فارسی گوشعرا — از عبدالغفار ندیم — نوکیں دور کوئٹہ ۱۶ مارچ ۱۹۶۷۔

۳۔ ذکری بلوچوں کے فارسی شعراء — از عبدالغفار ندیم — بلوچی دنیا ملتان قسط اول اپریل ۱۹۶۵ قسط دوئم اگست ۱۹۶۵ قسط سوئم اکتوبر ۱۹۶۵۔

۴۔ کنزی — از غفار ندیم — مطبوعہ ۱۹۹۹ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ (اس بلوچی کتاب میں شہ محمد درفشاں، دربیانیں جلال، سید نور شاہ، ملا ابراہیم، گلشن مکران اور شہ محمد نوری پر مقالات ہیں

۵۔ جوہر معظم — دیوان گل محمد ناطق، مطبوعہ بلوچی اکیڈمی از ڈاکٹر انعام الحق کوثر

۶۔ گل محمد ناطق مکرانی — از قاضی عبدالصمد سربازی — مطبوعہ بلوچی دنیا ملتان ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۰ کراچی

۷۔ گل محمد خان ناطق مکرانی — از غلام محمد — مطبوعہ بلوچی دنیا مارچ ۱۹۵۹

۸۔ خذینہ الاشعار یعنی محمسات زیب — مطبوعہ نولکشور، لکھنو ۱۹۳۶، بار دوئم انجمن فارسی بلوچستان کوئٹہ ۱۹۹۶

۹۔	دروجود		دیوان شہ محمد درفشاں، ناشر بہرام شاہ و شیخ یونس کراچی
۱۰۔	دیوان سربازی		ناشر مکتبہ سوغات لیاری کوارٹر کراچی
۱۱۔	حدیث دل		ناشر خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران کوئٹہ
۱۲۔	گلشن مکران		دیوان نور محمد نوری مطبوعہ کراچی
۱۳۔	مولوی محمد صدیق مجبور	از عبدالباقی براہوئی	بلوچی دنیا ملتان نومبر دسمبر ۱۹۷۰
۱۴۔	مکران تاریخ کے آئینہ میں	از قاضی عبدالرحیم صابر	مطبوعہ بلوچی ادبی بورڈ کراچی

عظیم بلوچستان کے فارسی سخنور

غوث بخش صابر

ماضی کے بلوچستان پر اگر نظر ڈالی جائے جغرافیائی اعتبار سے وہ ایک بہت بڑی مملکت سے مشابہ ملے گا ایک وسیع خطہ جولسانی اور جغرافیائی سرحدوں کا حامل رہا ہے۔ ایک بہت بڑا علاقہ ایران سے متصل دوسرا فغانستان کے زابل وھلمند سے چاغی تک پھیلا ہوا بلوچستان کے ساحل گوادر سے کراچی تک بحیرہ عرب کے افتخار کا حامل سندھ کی جانب خان گڑھ اور پنجاب کی سمت بے رحمی سے قطع و برید کیے ہوئے ڈیرہ جات.....اس وسیع وعریض خطے کی سب سے بڑی زبان بلوچی اور ثقافت پر بلوچ قوم کا گہرا رنگ۔ یہ امر خود باعث فخر ہے کہ تاریخی جبر کے ہاتھوں حصہ بخرہ ہونے کے بعد بھی بلوچستان رقبہ کے لحاظ سے آج بھی پاکستان کا سب سے بڑا

صوبہ ہے اور جیسے کہ ہم عصری سیاست کی زبان میں اکثر و بیشتر سنتے آئے ہیں مشرق اوسط اور سطی ایشیاء کا وہ دروازہ ہے جس میں سے گزر کر پاکستان کے روشن مستقبل یہاں کے عوام کو آسودگی اور خوشحالی کا مژدہ دیتا ہے۔ خدا کرے کہ یہ دعوے حقیقت کا روپ دھار لیں۔

بلوچستان کے اس مایہ ناز تذکرے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی ہے کہ اس میں ایک مشہور و معروف قوم کی عالی شان ثقافت کے قدم قدم پر نقوش ابھرے ہیں۔ اس کے بچے بچے کے خون سے ہاتھوں کو رنگنے والے باجبروت شہنشاہوں کو بھی اسے صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس کی ہندوستان تک پھیلے ہوئے راستوں سے ہو کر گزرنے والے حملہ آوروں کی یلغار در یلغار آمد و رفت سے ان نقوش کو محو کرنے۔ اُن روایات اور سرفراز رسومات کو گہن لگانے کی تمام کوششیں بے سود رہی ہیں مشرق و مغرب سے حملہ آور طاقتوں کو بالآخر یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ یہ قوم ناقابل تسخیر ہے یہ ثقافت اور عظمت وہ ہے جسے آسمان جھک کر چومتا ہے اور جو تاریخ کے دستار کا ہمیشہ طرہ بالا رہا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بقول جناب سید ہاشمی اس قوم کے حصے میں خون آشام سلطانی کا تخت و تاج نہیں آیا بلکہ انسانی شرف کے ہار اس کے گلے کی زینت بڑھاتے رہے۔ وہ دوسروں کی

طاقت بن کران کی حکمرانی کے لئے سر بکف رہی اور اغیار سے کبھی امید اور شکایت نہیں کی کہ اسے عصری علوم سے بے بہرہ رکھا گیا اور افسوس ناک صورتحال اب تک ماضی کی طرح قائم و باقی ہے۔ تیغ و تبر بہادری، دلاوری، شجاعت و ہمت کے بلاشبہ نشان ہیں مگر علم و ہنر کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

حصول علم کا ذکر یہاں اس لئے ناگزیر ہوا کہ بلوچی زبان کے گیسو بلوچستان میں محروم شانہ رہے ہیں مروجہ تمام علوم سے یہ خطہ محروم رہا سوائے شعر و سخن کے اکتسابی جوہر کے جو جوہر ذاتی ہے بیشک اس میں بلوچی کے نغز گو شعراء نے تاریخ، شخصیات، ثقافت اور محبتوں کے وہ گلدستے ہم تک پہنچائے جن پر یہ قوم ہمیشہ فخر کرتی آئی ہے۔

چونکہ ماضی میں ہندوستان، ایران و افغانستان میں ایک طویل مدت تک فارسی زبان کو اثر و اقتدار حاصل رہا اس لئے اس عہد میں بلوچ شعراء نے بھی اظہار خیال کیلئے فارسی زبان ہی کو اپنایا جو صدیوں سے بلوچی کی بڑی بہن سمجھی جاتی رہی ہے اور جس میں مدارس کی تعلیم بھی حاصل کی جاتی رہی ہے ایران و ہندوستان میں بڑے بڑے قادر الکام فارسی سخنور گزرے ہیں یہ کہنا تو ایک مبالغہ ہوگا کہ بلوچستان میں اسی پائیکے سخنور گزرے ہیں لیکن شہرت کے اسباب کو اگر نظر میں رکھا جائے تو یہ کہہ دینے

میں کوئی ہرج نہیں کہ شعراء نے بلوچستان میں بھی صدیوں تک فارسی شاعری کے باغ میں گلہائے شعروسخن کھلائے ہیں۔ میں یہاں جناب عبدالغفار ندیم کا بصد شکریہ احوالہ دینا چاہتا ہوں کہ انہوں نے نوکیں دور کوئٹہ کے مکران نمبر میں ایک مفصل مضمون میں اس تحریر کیلئے قابل قدر مواد فراہم کیا ہے اور میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر صاحب کی ستائش کرتا ہوں کہ انہوں نے پاکستانی بلوچستان میں فارسی گو شعراء کو اپنی کتابوں میں متعارف کرایا ہے۔ جس میں گل محمد ناطق پران کی تحقیقی خامہ فرمائی سے کسی طرح بھی رُوگردانی نہیں کی جا سکتی۔ تاہم میں ابتدا میں ایرانی بلوچستان کے خطہ میں فارسی گو بلوچ شعراء کا تذکرہ کروں گا۔ اس میں شرط سخن گوئی ہے مسلک سے بحث ہرگز بھی نہیں۔

ایران کے مقبوضات میں بلوچستان کا ایک وسیع علاقہ صدیوں سے شامل رہا ہے۔ اس کے تاریخی رشتے نوشیروان اور مزدک سے بھی بہت پہلے کے ہیں، بلوچ کبھی وہاں کی حکومت کے بازوئے شمشیر زن رہے ہیں تو کبھی برسرپیکار انہی وجوہات کے باعث خاندان قاچار سے ان بن کے باعث بہنام گاجار، گواجار سے ہوتا ہوا گجر بنا، جو اس خاندان کے خلاف بلوچوں کے ردعمل کا مظہر ہے۔

اس کی تہہ میں جو معانی پوشیدہ ہیں۔ یہاں اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں، ایران، افغانستان اور ہندوستان میں طویل عرصے تک فارسی کی حاکمت کے موثرات کے طور پر اس پورے خطے میں ذریعہ ابلاغ واظاہر فارسی رہی جس نے نہ صرف بلوچوں کی فکری زندگی کو متاثر کیا بلکہ ثقافت کے دوسرے شعبوں میں بھی نفوذ کر گئی۔ مدرسوں کی عربی فارسی تعلیم سے آراستہ بلوچ شعراء نے بلوچستان اور سیستان میں یکساں اور ہر دور میں سخنوری کے جوہر دکھائے۔

ایران کے صوبہ بلوچستان میں گیارویں صدی ہجری سے پہلے بلوچی میں فارسی شعراء کا پتہ ملتا ہے قصر قند کے ایک علمی خاندان نے چند پشتوں تک فارسی زبان میں شعر وسخن کا بازار گرم رکھا۔ میر عبداللہ جنگی جو قصر قند کے حاکم بھی تھے۔ اس کا پورا خاندان علم وادب اور سخن گوئی کیلئے مشہور تھا۔ میر عبداللہ جنگی کے والد کا نام جنگیان تھا۔

اس نسبت سے وہ عبداللہ جنگی مشہور ہوئے یہ صاحب بہ اعتبار مسلک ذکری تھے۔ مگر نہایت پرہیز گار، عارف وعبادت گزار تھے عربی اور فارسی زبانوں پر خاصہ عبور حاصل تھے۔ انہی کے نواسے شئے محمد درفشاں نے زبان وادب کی دنیا میں اپنے زمانے میں بڑی شہرت پائی۔ اپنے نانا عبداللہ

جنگی کے بارے میں ان کی سیر و خصلت کا انہوں نے اس طرح احاطہ کیا تھا

یکے عافے در قصر قندبود
کہ در معرفت معدنِ پند بود
دلش بود گنجینہ سر حق
نظر گاہ او قبہ ء منطبق
زکشف و کرامت بداں پایہ بود
کہ ظل خدا بر سر ئش سایہ بود
دل و دیدہ اش منبع نور بود
بہ عبداللہ نامیش مشہور بود

عبداللہ جنگی کو فارسی زبان پر بڑی قدرت تھی شاعری کے ساتھ ساتھ وہ اعلیٰ پایہ کے نثر نگار بھی تھے۔ ان سے ایک رسالہ سفر نامہ مہدی منسوب ہے۔ عبداللہ کے فارسی شاعری کا یک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

مے گشائم از سر صد عبودیت زباں
گویم از جان حمد خلاق زمین و آسماں
صانعے کہ از ضع خود ایں کہ دربستان دہر
گاہ می آرد بہارو گاہ می آرد خزاں

خالقی از جرم خاک آورد آدم را ظہور
تاج کر منا بفرق آدم خاکی نہاد
بعد توحید خداوند کریم و ذوالجلال
گویم از جاں وصف داعی صاحب حضرت زمان
گوہر تاج رسالت رحمتہ اللعالمین
اِنا ارسلناک خواندہ رحمتا دارد نشان
پیشوائے خلق نورِ اولین و آخرین
رہنمائی مشرق و مغرب امامِ انس و جاں

عبداللہ جنگی کے نواسے شے محمد درفشان بلوچستان میں فارسی زبان کے قادر الکلام شاعر گزرے ہیں آپ کے والد کا نام شئے جلال تھا۔ آپ عبداللہ جنگی حاکم قصر قند کی بیٹی کے بطن سے تھے علاقے کے سردار اور اعلیٰ اوصاف کی وجہ سے آپ کو اپنے عصر کا ملک الشعرا مانا گیا۔ شئے عبدالرحمٰن نے اپنے نسخے میں آپ کو شیخ الاسلام بھی لکھا ہے دیوان کا نام ''دحر و جود'' کا آغاز ان ابیات سے کیا گیا ہے۔

بنام خدا نیکہ دُر وجود
برآورد از بحر افضال جود

برآرندہ آسمان و زمین
نگارندہ آدم از ماوطین
فرازندہ خاک بروی آب
فروزندہ عالم از آفتاب
نگنجد ثنائش بوہم و خیال
دراوصاف او طوطی نطق لال
چو میخواست رفتن بدیں راہ تنگ
زشکی بُشد مرکب عقل لنگ

شیخ محمد درفشاں سترویں صدی کے عظیم فارسی گوشعرامیں سے تھے چونکہ اس کے اجداد کا تعلق مہدی مسلک سے تھا انہیں ان کے مسلک کے پیروکاروں نے ملک الشعرا ناور درفشاں کا بجا طور پر خطاب دیا اصل نام چونکہ محمد تھا گاہ گاہے تخلص بھی محمد ہی اختیار کرتے رہے ہیں۔

اے محمدؐ گر تو خواہی قرب عشق
جاہلی بگزار ہم عاقل مباش
علم آموزو عمل کن عشق را
از چراغ علم حق غافل مباش

شیخ محمد درفشاں شراب عشق اور حقیقت سے مخمور، تخریب و منہی سے دور ایسے بلند افکار کا اظہار کرتے ہیں جن کی علمی پیمانے پر بڑی قدر و اہمیت ہے۔ ماومن کے فروعات سے پاک روشن ضمیر صاحب فہم وادارک:

شراب محبت چو کرد ند نوش
زگفتار بیہودہ کردند خموش
شرابی کہ ارواح ازوقوت یا فت
خرد جر عہ جام لاہوت یافت
شراب محبت بود آں شراب
حقیقت ہماں است دیگر سراب

شیخ محمد درفشان کے بیٹے شیخ سلیمان اور پوتے شیخ جلال بھی اپنے اجداد کی طرح مائل شعر و سخن رہے ہیں۔ شیخ سلیمان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زمانہ ۱۱۵۸ء تھا شیخ سلیمان اور شیخ جلال دونوں کا تعلق ایرانی بلوچستان کے شہر قصر قند سے تھا جہاں ان کے آباواجداد ممتاز سماجی حیثیت کے مالک رہے ہیں جیسا کہ کہ شیخ جلال کہتا ہے۔

گر پر سند از دیار جلال
دہ نشانش کہ درقصر قند است

باوجود مراتب سماجی شئے جلال نے اشعار میں عجز وانکسار، کسر نفسی اور ہیچ مدانی کا اس طرح اظہار کیا ہے۔

جلال ابن کمال خانم کمین جملہ یارانم بہر نوعے غزل خوانم برائے طالبان بشنو

ملا عزت سرباز کے رہنے والے تھے آپ کے بارے میں زیادہ تحقیق نہیں ہوئی شئے گل محمد اور شئے عبدالرحمٰن نے صرف ان کی ایک نظم کی نقل کی ہے۔

دلابر خیز خواں نعت رسول انس و جاں
آں شفیع روز محشر ماہ و سالار جہاں
اے بدرگاہ رفیع محرم اسرارداں
چشمہ علم و یقین از کرم بار دبیاں

یا

گویم عزت ازدل و جان نعت آں سلطان دین
بلبل باغ جنان و نور رب العالمین !

عجیب اتفاق ہے کہ فارسی میں سخن گوئی میں بیشتر شعراء کا تعلق ایرانی بلوچستان کے شہر قصر قند سے رہا ہے اور بہ اعتبار مسلک ذکری مذہب اور شئے

محمد درفشاں ہی کے خانوادے سے تھے عزیز لاری، شئے امانی، ملا ابا بکر، ملا شہدوست، ملا نعمت اللہ، میر علی شیر جنگی، مولانا خوشقدم، شئے گل محمد، نور محمد وغیرہ ایک ہی مکتب فکر اور چشمہ فیضان کے جرعہ نوش تھے۔ کلام کا جس قدر نمونہ دستیاب ہے اس میں بیشتر حمد نعت اور اخلاقی مضامین ہیں غزل کے اشعار بھی کہیں کہیں ملتے ہیں مگر ان میں وہ معنی آفرینی نازک خیالی اور غزل کی روایتی شیرنی کم ہی ملتی ہے جو اس صنعت کا خاصہ ہے ایرانی بلوچستان کے قصر قند آثار اور دیگر موضعات کے شعراء کا مختصر زکر کرنے کے بعد اب مکران اور بلوچستان کے دیگر مقامات سے متعلق فارسی گو بلوچ شعراء کا تذکرہ۔ جناب ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے حضرت رابعہ خضداری کو بلوچستان کے فارسی شعراء میں اولیت دی ہے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ رابعہ چوتھی صدی ہجری میں مشہور فارسی شاعر رودکی ہمعصر تھی۔ مگر خاندانی ناموں اور بلخ میں حکمرانی اور (زین العرب) کا لقب اس امر میں مانع ہے کہ بلوچ فارسی گو شعرا کی صف میں جگہ دی جائے الحق کہ وہ ایران کی عظیم شاعرہ قرۃ العین طاہرہ کی طرح شعر وسخن اور عشق سرمدی سے متوصف تھی۔

بلوچستان کی قبائلی تاریخ میں جس طرح گنداوہ کو قدر ومنزلت رہی ہے کہ یہ شہر عظیم بلوچ ہیرو سردار گہرام خان لاشاری کا مسکن اور کچھی میں

تمول وخوشحالی کیلئے معروف رہا اسی طرح اس شہر سے مولوی نور محمد گنج آبوئی نصیر خان نوری کے درباری شاعر رہے وہ مختلف عہدوں پر بھی متمکن رہے اور نصیر خان اعظم کے ہمرکاب رہ کر کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ ایسی ہی جنگ میں جام شہادت نوش کیا خان کی معیت میں شریک کارزار ہونے کا ذکر بھی مولوی نور محمد نے تحفۃ النصیر کیا ہے۔

من آں روز در جنگ حاضر بدم
تماشہ نودم بشم خودم
بیک دست تیغ و بہ دیگ قلم
بمیدان پس سک ہمی تاختم

مولوی نور محمد گنج آبوئی کا تعلق چونکہ نصیر خان اعظم کے دربارے تھا اس لئے ان کا کلام ہیئت کے اعتبار سے مثنوی اور فکری لحاظ سے زیادہ تر قصیدہ گوئی پر مشتمل تھا۔

اب اس نابغہ روزگار کا ذکر جسے گل محمد ناطق مکرانی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ بلوچستان مرزا اسد اللہ خان غالب کے ہمعصر غالب و بیدل، حافظ و عرفی کے ہم مرتبہ شاعری کے مالک گل محمد ناطق پر جس قدر فخر کرے کم ہے۔ بھلا وہ کس مرتبہ کا عظیم سخنور رہا ہوگا جس نے مرزا غالب کو

اصلاح دی اور مرزا غالب نے بصد شکریہ قبول کی۔

(جوہر معظم) کے خالق مرزا گل محمد ناطق نے اٹھارویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے پہلے حصے میں اپنی خداداد قابلیت کے جوہر دکھائے گو ان کی پیدائش کی تاریخ اب تک کسی تذکرے سے دستیاب نہیں ہوئی۔

مرزا گل محمد ناطق کا زمانہ مکران کے موجودہ زمانے سے کچھ زیادہ بہتر نہیں رہا ہوگا۔ اہل مکران آج بھی ترقی کے مبالغہ آمیز اعلانات کے باوجود زقت کی ٹھوکروں سے فگار ہیں اور روزگار کی طلب میں لاکھوں کی تعداد میں دوسرے ملکوں میں تلاش معاش میں سرگرداں ہیں۔ اگرچہ تعلیم کے اعتبار سے اہل مکران بلوچستان کے دوسرے علاقوں کے مقابلے میں بہتر پوزیشن میں ہیں۔ مگر مزار گل محمد ناطق کے زمانے میں مکران میں افلاس وفلاکت کی وجہ سے گزر اوقات مشکل رہا ہوگا ناطق کے احساسات اس صورت حال کی بہتر عکاس ہیں۔

نہ کتابے بہ بغل شاں نہ قلم درکف شاں
دربغل ہنیرم ودر دست بترمی بینم
ہما آفاق بنو شند گلاب و قندست
مکریاں راہمہ از خون جگرمی بینم

اسلامی احکامات و ہدایات مظہر ہیں کہجب وطن میں حالات ناسازگار ہوں تو ہجرت اس کا مداوا ہے۔ ناطق نے بھی جب وطن میں زندگی کی بے بضاعتی اور علم وفن کیناقدردانی دیکھی مکران سے باہر قدم رکھا سندھ میں تالپوروں کے دربار میں قسمت آزمائی کی صوبہ دار خان تالپور کی سرپرستی ملی کچھ عرصہ گزارا مگر توقعات کے خلاف نظر آیا۔

سندھ یکساں بدلم کلبہ احزاں گشتہ
تاکہ دیدہ است گلستان تو باگلزارے
سبز شد سائر سند از نم ابر کرمت
جز کہ ماتشنہلبانیم از یں بسیارے

اس زمانے میں اغلب ہے کہ اہل فکروفن پر ایران میں بھی ناسازگار حالات نے مایوس کن اثرات ڈالے تھے متعدد شعرانے دور صفویہ میں قدرو منزلت نہ پا کر ہندوستان کا رخ کیا تھا جیسے کہ ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔

کہ درایراں کسے ناید پدیدار
کہ باشد جنس معنی را خریدار
در ایان تلخ گشتہ کام جانم
بباید شد سوئے ہدوستانم

نیست درایراں زمین سامان تحصیل کمال
تانیا ید سوئی ہندوستان حنا رنگیں نشد

مرزا گل محمد ناطق بھی ہندوستانی حکمرانوں اور اکابرین مملکت کی فیاضیوں کے چرچے سن کر قسمت آزمائی کیلے چلے آئے نواب محمد صدیق خان کے مطابق.....از دیار خود سرے بہند کشیدہ، شطری از عمر در بلدہ لکھنو بسر بردو بمدح محمد علی شاہ وامجد علی شاہ وامرائے دولت قصائد فراوان پرداخت۔ مگر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

بہ آب چشمۂ کوثر سفید نتواں کرد
گلیجے بخت کسے راہ کہ بافتند سیاہ

ہندوستان میں بھی علم وکمال کی ناقدری کی لاتعداد مثالیں ملتی ہیں درباروں میں قابل اور خوددار ہستیاں عموماً نظر انداز ہوتی رہیں۔ استاد شاہ ذوقؔ اور نالہ برلب مرزا غالب، نظیری دولت فراواں میں کھیلے اور عرفی وقت کی نفرت اور حاسدوں کے زہر سے آغوش لحد میں جا بسے..... کہتے ہیں مرزا غالب بڑھاپے میں اس طرح کے غم انگیز حالات سے دوچار رہے کہ کئی کئی دنوں کی سوکھی روٹیاں پانی میں بھگو رکھتے اور اس پر گزارہ کرتے۔ جہاں مرزا غالب کی ایسی حالت ہو وہاں گل محمد ناطق کی کیا پیش جائے چنانچہ ناطق

فغاں برلب رہے۔

ایں چہ ظلم است کہ برمار ود از اخترما

درباروں امراء اور اراکین دولت سے وابستگی مرزا گل محمد ناطق کیلئے سازگار نہ ہوسکی، اپنی زندگی اور کسمپرسی پران کا رنجیدہ ہونا قابلفہم ہے۔

(یازدہ سال میگزرد کہ بفرمائش مربیان صدہا نظم ونثر پرداختم وبغیر حرمان چیزے دیگر نیندوختم ہماں حسرت است کہ امروز صورت کوفت گرفتہ کاہش جسم وجان می نمایداگر ایں ہمہ دماغ سوز یہا نکردہ بودی ایں مایہ تاسف ہانکردمی)

قرض خواہوں کے انتظار واژدہام کی کیفیت یہ تھی کہ:

(ہرآن کہ ازطرف خان مذکورہ دام اقبالہم برمیگردم اژدہام قرض خواہاں بیشتر می شود کہ چیزے آوردہ باشندو بمانمید ہد)

یہاں یہ بات وضاحت سے عرض کرنے کی ضرورت ہے کہ مرزا گل محمد ناطق صاحب کمال ہستی کے مالک تھے جن کو عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر یکساں عبور تھا اور اپنے قصائد وغزلیات میں وہ اساتذہ کے ہم پلہ تھے وہ اپنے برے میں مختصر یہ کہتے ہیں۔

آں بلبلم کہ گر بچمن سرکند فغان

از ہر درخت آتش موسیٰ شود عیاں
آں گلشنم کہ باد ز فیض شمیم او
بخشد بمردہ چوں نفس عیسوی روں
آں شبنم کہ موئی کشاں آفتاب را
آراد فرود جذبہ اُش از چارم آسماں
آں قطرہ ام کہ بالد اگر بروجود خویش
ہر قطرہ اُش نشاں دہداز بحر بیکراں
آں وادیم کہ ہر شری کش جہد زسنگ
گردد بہ شعلہ شجر طور ہمزباں !
آں شاعرم کہ شہرت شعرم جہاں گرفت
چوں صیت کام بخشی دوستورشہ نشاں

مرزا گل محمد ناطق کی باریک بین اور مشاہدے کی ستائش مرزا غالب نے بھی کی ہے اصلاح دینے اور اصلاح کو بشکریہ قبول کرنے کا واقعہ مرزا غالب کی حق پسندی اور وسیع النظری پر دال ہے۔ مرزا غالب نے اپنی مثنوی درد و داغ میں ایک کہانی بینا کی ہے کیسے ایک عورت کی دعا قبول ہوئی اور وہ بار دیگر جواں ہوئی، جوان ہوتے ہی تیور بدلے اور شوہر کو دھتکار دیا شوہر

نے بددعا دی وہ عورت سورنی بن گئی ایک شعر اسکا اس طرح تھا۔

خوک شہ و پنجہ زدن ساز کرد

باسر رو عربدہ آغاز کرد

مرزا ناطق نے توجہ دلانے کی غرض سے مرزا غالب کو لکھا۔ (کاتب لفظ بصورت پنجہ قلم دادہ است آیا ایں چہ لفظ است؟ چہ اگر فی نفس الامر پنجہ باشد پس خوک سم دارد نہ پنجہ و اگر مجانست خطی با پنجہ دار دیا آنکہ اطلاق سم و پنجہ بہ محل یک دیگر جائز الاستعمال ست پس اعلام بائد فرمود تا پئے بحقیقت آں بردہ باشم) غالب نے اس اس تبصرہ کی معقولیت کو محسوس کرتے ہوئے پہلا مصرعہ اس طرح بدل دیا۔

خوک شد و بد نفیسی ساز کرد

اور جواب اپنے خط میں لکھا

از غالب ہزرہ سرا بہ ناطق رنگیں نوسلام

راست میگویم و یزدان نہ پسند و جزار است

حرف ناراست بسرودن روش اہرمن ست

(بہ تیزی دم ذوالفقار و بہ فروغ گوہر حیدر کرار سوگند کہ بہیات پائی خوک در نظرم نہ بوذہ است اگر چہ نوع آفرینش را در ویرانہ و خرابہ بابسیار دیدہ ام،

اما ژرف نگاہی بکار نبردہ ام، گمان من آں بود کہ خوک ہچو سگ وگربہ پائی دار داکنوں از روئے نوشتہ شما در نظر جلوہ کرد کہ خوک سم دارد پنجہ ندارد کاش نامہ شما پیش ازاں کہ کلیات نفش انطباع پزیرد بمن رسیدی تا دریں مصرعہ بجائے پنجہ زدن بد نفسی بنشستمی۔

جوہر معظم کے خالق مرزا گل محمد ناطق پر دل گفتگو سے سیر نہیں ہوتا بہت سے فکری گوشوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ملا محمد حسن کے ذکر سے کام و دہن کی ضیافت مطلوب ہے۔ ملا محمد حسن کے اجداد خان نصیر خان کے زمانے سے ریاست قلات میں اہم عہدوں پر خدمات انجام دیتے رہے۔ ملا محمد حسن آغا عبدالرحمٰن نائب کچھی کے قابل فرزند تھے ملا محمد حسن اپنی نمایاں اور ممتاز شخصیت کی وجہ سے والیان ریاست کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ انگریزوں کی خیر خواہی اور سیاسی جوڑ توڑ سے مہتم ہونے پر خان محراب خان نے انہیں حوالہ زنداں کیا اس قید میں جان جان آفرین کے سپرد کی ملا محمد حسن اردو، براہوئی، بلوچی زبانوں میں شاعری کرتے تھے ان کا اردو کلام کلیاتِ محمد حسن براہوئی کے نام سے ڈاکٹر انعام کوثر نے پاکستان کی گولڈن جوبلی کے حوالے سے اپریل ۱۹۹۷ میں بردیگر شائع کرایا ہے۔ گو ہمارا موضوع ملا محمد حسن کے فارسی کلام کے گرد گھومتا ہے۔ ملا محمد حسن ایک

بسیار گوسخنور ہے۔ بلوچستان میں فارسی شاعری مرتب ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے مطابق ان کے چار دیوان قلمی دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں حم نعت مناقت غزلیات ومختلف اصناف سخن کے ذیل میں شعر گوئی ان کی شاعرانہ قدرت کے مظہر ہیں ان کا کلام لطفت مذرت روانی اور سادگی سے مملو ہے۔ امری خسرو، صائب، جامی، واقف، محی، کمال اور حافظ شیراز کی غزلوں پر تضمین ان کی فکری قابلیت کا اظہار ہے۔

اے حسن در مسجد و میخانہا کن جستجو
ہر چہ باشی باش لاکن طالب دیدار باش

ابوالقاسم لاہوتی کی ایک مشہور غزل پر کئی شعراء نے طبع آزمائی کی ہے ملا محمد حسن نے قوافی کی تکرار سے حسن صورت کو خوب تر اور نمایاں تر کیا ہے۔

شوی بر خطلب دل کامیاب آہستہ آہستہ
کہ میگرد فلک چوں آفتاب آہستہ آہستہ
بہر پیچ و خم موئی پری رویاں نظر میکن
کہ آرد شانہ اش در پیچ و تاب آہستہ آہستہ

ابوالقاسم لاہوتی کی اس مشہور غزل کی تضمین میں کئی دوسرے

شعراء نے بھی طبع آزمائی کی ہے جناب پروفیسر شرافت عباس کی علمی کاوش اور خانہ فرہنگ ایران کوئٹہ کی معاونت سے ''بلوچستان میں فارسی شاعری کے پچاس سال'' کے عنوان سے جو کتاب مرتب ہوئی ہے اس میں محمد حسین عنقا کے ذکر میں اسی زمین میں یہ اشعار ملتے ہیں۔

چناں آمد زیاد من جواب آہستہ آہستہ
دُعا از عرش گرد مستجاب آہستہ آہستہ
بر ہجر تو نمی گویم چکد خونی کہ از چشم
دل بیچارہ ام گرد و کباب آہستہ آہستہ
چرا عنقا پہ عصری نیست لاہوتی پہ عصری ہست
نمی خواہم نزول انقلاب آہستہ آہستہ

جناب شرافت عباس صاحب نے مذکورہ کتاب میں پچاس کے قریب فارسی گو شعرا کا تذکرہ کیا ہے ان میں وہ اصحاب بھی ہیں۔ جو بلوچوں کے علاوہ پشتون قبائل، ہزارہ قبائل اور قومی ابان میں سخن سرائی کرتے رہے ہیں یا کر رہے ہیں یہ سب کے سب قابل فخر قابل ذکر ہیں مگر اس کا کیا کیا جائے کہ میرے اس مضمون میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان تمام شعرا پر فرداً فرداً اظہار خیال کر سکوں تاہم مشتے نمونہ از غرور وار قاضی عبدالصمد سربازی، محمد

حسین عنقا، آر اصادق، محشر ہول نگری، ماہر افغانی، پیر محمد پیرل زبیرانی، ایوا
قاسم یحییٰ عینی اور خود جناب شرافت عباس کے ذکر درمیان میں کرنا پڑا۔
دوبارہ اپنے موضوع کی جانب مراجعت مقصود ہے۔

فارسی گوشعرا میں ایک موقر نام مولانا علیم اللہ علیم کا ہے ان سے دو
دواوین منسوب ہیں جن میں سے ایک بلوچی اکیڈمی کوئٹہ کے اہتمام میں
زیور طباعت سے آراستہ ہوا ہے دیوان اول جس کا نام ''تحفہ شیرین'' ہے
مطبوعہ دیوان سے مقدم تھا جو ہماری نظر سیا بھی تک نہیں گزرا۔ موخر دیوان،
دیوان علیم کے نام سے موسوم ہے جس کی تزئین و ترتیب جناب محمد پناہ
اور مرزا طاہر محمد خان نے کی ہے۔

مولانا علیم اللہ علیم کا حسب و نسب کے اعتبار سے پشتونوں کے
معروف قبیلہ ترین سے تعلق تھا۔ جو کئی پشتوں سے بلوچستان کے شہر مستونگ
کے موضع پڑنگ آباد میں سکونت پزیر تھے گاؤں کی مسجد میں امامت پر مامور
علیم نے ۱۲۲۹ء میں پڑنگ آباد میں ملا فقیر محمد کے ہاں جنم لیا۔ علیم کے کلام
سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمام عمر ناقدری کا شکار رہے، بھلا اس سرزمین پر وہ
کونسا شاعر گزرا ہوگا۔ جو اپنے حالات پر قانع اور شاکر رہا ہو۔ علیم اللہ علیم
کے دیوان میں بیشتر منظومات صنعت مثنوی میں مرقوم ہیں کہیں کہیں

حسین عنقا، آر اصادق، محشر ہول نگری، ماہر افغانی، پیر محمد پیرل زبیرانی، ابوا
قاسم یحییٰ عینی اور خود جناب شرافت عباس کے ذکر درمیان میں کرنا پڑا
دوبارہ اپنے موضوع کی جانب مراجعت مقصود ہے۔

فارسی گو شعرا میں ایک موقر نام مولانا علیم اللہ علیم کا ہے ان سے دو
دواوین منسوب ہیں جن میں سے ایک بلوچی اکیڈمی کوئٹہ کے اہتمام میں
زیور طباعت سے آراستہ ہوا ہے دیوان اول جس کا نام ''تحفہ شیرین'' ہے
مطبوعہ دیوان سے مقدم تھا جو ہماری نظر سیا بھی تک نہیں گزرا۔ موخر دیوان،
دیوان علیم کے نام سے موسوم ہے جس کی تزئین و ترتیب جناب محمد پناہ
اور مرزا طاہر محمد خان نے کی ہے۔

مولانا علیم اللہ علیم کا حسب و نسب کے اعتبار سے پشتونوں کے
معروف قبیلہ ترین سے تعلق تھا۔ جو کئی پشتوں سے بلوچستان کے شہر مستونگ
کے موضع پڑنگ آباد میں سکونت پزیر تھے گاؤں کی مسجد میں امامت پر مامور
علیم نے ۱۲۲۹ء میں پڑنگ آباد میں ملا فقیر محمد کے ہاں جنم لیا۔ علیم کے کلام
سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمام عمر ناقدری کا شکار رہے، بھلا اس سرزمین پر وہ
کونسا شاعر گزرا ہوگا۔ جو اپنے حالات پر قانع اور شاکر رہا ہو۔ علیم اللہ علیم
کے دیوان میں بیشتر منظومات صنعت مثنوی میں مرقوم ہیں کہیں کہیں

قصیدے کی جھلک نظر آتی ہے۔ سب سے زیادہ مقام تعجب یہ ہے کہ دینی علوم سے مرصع اس پیش امام شاعر کا رجحان واضع طور پر عاشق پیشگی کی طرف رہا اور ناکامی عشق کو زینہ عشق حقیقی سے تعبیر کرتا رہا متعدد منظومات میں محبت میں ناکامی، حرماں نصیبی کے پس منظور کو یہ اقتباس اجاگر کرتا ہے۔

(دیگر معلوم باد کہ چوں ابیات می گتم ہماندم نزد مادر و پدرش می بردم ومیخواندم و بر ما بصیر رہنمامی شدند تا کہ شش سال گزشت پس مادرش وفات کرد، سالے دیگر پدرش تسلی میداد کہ صبر کن۔ ناگاہ من ازاں جا کوچیدہ بہ کنک آمدم پدرش دختر بکسی داد شش سال باں داغہا سوختم واین داغ زیادہ سوزایندواین ابیات گفتم۔)

علیم کے ہاں حمد نعت مناجات مثنوی رباعیات وغزلیات کی اصناف میں اظہار ملتا ہے اگر چہ عربی فارسی زبانوں پر انہیں اچھی قدرت حاصل ہے بہ ایں ہمے بیشتر اشعار گہرائی اور گیرائی سے عاری ہیں۔ ضع شعری کا استعمال بھی کم ہی کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں عامیانہ پن بھی نظر آتا ہے۔

بیا یکدم نشیں باخانہ ما
علیم خستہ رابا بوسہ بنواز

غزل کی یہ روایت تو مبتدی شاعروں کو بھی معلوم ہے کہ اس کا ہر
شعر عام طور پر الگ الگ مضامین لئے ہوئے ہوتا ہے علیم کی غزلوں میں
ایک ہی مضمون تسلسل سے بیان ہوا ہے تاہم کچھ غزلوں میں تصوف کی چاشنی
پائی جاتی ہے۔

دارم بتے نام خوشش نورِ خدامی زیبدش
تعریف روئے خوب او شمس الضحی می زیبدش
تشریف لولاکش بہ سر خلعت یاسین اش بہ بر
از فاستقم بس مفتخر عرش اعلی می زیبدش
طہ و یٰسین لشکرش اِنا فتحن ایا ورش
شاہاں دنیا یکسرش بردر گرامی زیبدش

قیاس اغلب ہے کہ علیم نے یہ زمین شاہجہان کے درباری شاعر
حاجی محمد جان قدسی سے مستعار لی ہو مگر قدسی شاعرانہ وصف میں بہت بلند
ہے قدسی کی اس غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دارم دلے اما چہ دل، صد گونہ حرماں دربغل
چشمے و خوں در آستیں اشکے و طوفاں دربغل
یارب مرا ثابت قدم از کوئی قاتل بگزران

من سر بجیب انداختہ او تیغ عریاں در بغل

اور تصوف کی حالت یہ کہ:

روز قیامت ہر کسے دردست گیر دنامہ ء
من نیز حاضر می شوم تصویر جاناں در بغل

علیم اللہ علیم نے عبدالرحمٰن جامی کی تتبع میں بھی غزلیں کہی ہیں۔

بر ردیف غزل جامی شیریں گفتار
مکشالب تو چواد میر سخندانی را
اے علیما غزل جامی خوشگواین است
ساز آباد خدایا، دل ویرانے را

تقریر بہ مقتضائے عنوان مضمون مائل بطوالت ہے اور اب تک بہت سے سخنور علی الخصوص صاحب دیوان شعرا کا تذکرہ باقی ہے اصل میں یہ موضوع کسی ضخیم کتاب کیلئے سجتا ہے بہر حال آخری شعرا کے ذکر سے پہلے یہ حوالہ دینا ضروری ہے کہ بلوچستان کے وہ شعرا جو پشتو میں اظہار خیال کرتے تھے جیسا کہ پیر محمد کاکڑ، شیخ فاضل، عبدالعلی، عابد شاہ وغیرہ ہم انہوں نے فارسی میں بھی اپنا کلام موذوں کیا ہے اسطی طرح کچھ اور شعرا میں تائب خاکی رہی پیدا ابوبکر مستونگی وہ بھی اپنے اپنے وقت کے خوشگو گزرے ہیں۔

مگر حضرت غلام حیدر حنفی اور میر گل محمد زیب مگسی پر کچھ کہے بغیر دورِ قدیم کا خاتمہ مناسب نہیں حنفی کے مطبوعہ دیوان میں (گلدستہ حنفی) ان کی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں ملتا بنا براں ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی مرتب کردہ تذکرہ بلوچستان میں فارسی شاعری کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے ان کے مطابق سید غلام حیدر شاہ حنفی سید محمد زمان شاہ کے ہاں پیدا ہوئے جو مستونگ میں سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ تھے۔ ان کے اجداد امجد سید محمد شریف دربار قلات میں اثر ونفوذ کے مالک تھے۔ سال ولادت ۱۸۶۹ء ہے۔ فارسی کے علاوہ بھی شاہ صاحب کئی دوسری زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے۔ حنفی کی غزلیں گوارا ہیں۔ تاہم ان کی طبع رواں نے بلوچستان میں پہلی مرتبہ حضرت فیضی فیاضی کی پیروی میں صنعت غیر منقوط کی طرح ڈالی ہے۔ گلدستہ حنفی کے صفحہ نمبر ۷ پر نعت غیر منقوط کے چند اشعار

آہ سر دم کار گر گردد رسد مارا صدا
محو گردم، سرد ہم درراہ اسم احمدا
گردلم دار دالم ہم حال دل دار دطمع
حال ما معدوم گردد مہر اومار ادوا
حمد لہ للہ گر مصور ملک دل معمور کرد

روح مادر ملک دل دراسم او دار د صدا
دردلم مہر محمدؐ اسم او مسطور کرد
محرم اسرار و معمور گرد و درسما

ان ابیات کے علاوہ ان کی جس کاوئش نے متاثر کیا ہے وہ بحر طویل میں ان کی یہ نظم ہے

دُوش از مزمہ چنگ بروں گشتم از ننگ، بسر شدہوس بنگ،
سرا سیمہ و دل تنگ شکشتہ سرو پالنگ رواں از پئی گلرنگ
ببیں حکم قضا را تار سید م بدرِیار، دراں گلشن و گلزار،
نہ آنجا خس و نے خار نشتہ بود بیدار
پسندیدم این کارد ہدوصلِ، مرابار
چو بیشبہ بے شک، زدم بر درد دستک کشادہ شد اندک،
بزباں گفتہ ام لبیک، بدلشکرخدار آمد آگاہ یگانہ مرا بردد بخانہ

نواب گل محمد زیب مگسی نواب قیصر خان مگسی کے بڑے صاحبزادے تھے آپ کے مجھلے بھائی نوابزادہ یوسف عزیز مگسی کا شمار تحریک آزادی کے سرفروشوں میں ہوتا ہے یوسف عزیز نے بھی فارسی میں شعر موزوں اُن کا زکر جناب شرافت عباس نے اپنے کلام کے حوالے سے کیا ہے۔ان کی اردو شاعری البتہ آزادی فکر و جرات اظہار سے مملو ہے۔ یہاں

تذکرہ زیب مگسی کی شاعری کا ہے نواب گل محمد زیب مگسی ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۰۱ھ میں
جھل مگسی میں پیدا ہوئے گھر پر ہی صاحب علم و دانش استادوں کے آگے زانوی تلمذ تہہ کئے جن میں قاضی رسول بخش، مولانا غلام قادر اور لالہ کہنیالال شامل تھے، اپنے والد کے بعد قبیلہ کے سربراہ بھی رہے زیب نہ صرف ایک خوشگو شاعر مانے گئے بلکہ تجربہ علمی، وسعت مطالعہ اور امتیازی اسلوب کے بھی مالک تھے ان کا کلام تین مبسوط مجموعوں پر مشتمل ہے جو تیس ہزار سے زاید اشعار اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں حال ہی میں ان کا کلام پنج گلدستہ بار دیگر انجمن فارسی بلوچستان کے زیر اہتمام پروفیسر شرافت عباس نے سابق وزیر اعلیٰ بلوچستان نواب ذوالفقار علی مگسی کی زیر سرپرستی زیور طباعت سے آراستہ کیا ہے جو اپنے اندر گراں قدر معلومات اور قابل ستائش منظومات لیے ہوئے ہے۔ پنج گلدستہ کو اب نئے نام زیب نامہ سے متعارف کرایا گیا ہے۔ گل محمد خان زیب مگسی کی شاعرانہ عظمت صرف ایک حوالہ سے ہی مسلم ہے کہ انہوں نے ایران اور متحدہ ہندوستان کے تقریباً ایک سو گیارہ کامل و معروف شعرا کے کلام پر تضمین و تخمیس کی ہے ان میں امیر خسرو، انوری، خاقانی، بیدل، عرفی حافظ، رودکی، سعدی، شمس تبریز

ی، صائب، طالب آملی، فیضی فردوسی، نظیری، غالب اور دیگر اساتذہ کے اسمائے

گرامی آتے ہیں۔ متداول و مروج تمام بحور جملہ ضائع شعری اور اصناف شعری سے زیب نامہ مزین ہے ایک نظر میں ہی اندازہ ہوتا ہے کہ دنیائے شعروسخن میں ان کا مقام کس درجہ بلند ہے۔

اس مضمون میں باوجود اختار کے گل محمد زیب مگسی کے کمالات فن کے ایک دو حوالوں سے گریز ممکن نہیں۔ فیضی نے تفسیر غیر منقوطہ لکھ کر دانشوروں کیلئے جو چیلنج دیا ہے اس صنعت سے بلوچستان کے شعرا فارسی نے بھی روگردانی نہیں کی، نثر میں اس طرح کی رکاوٹیں میدان شعر کی نسبت و سیع تر ہے مگر زیب نے غیر منقوط غزل لکھ کر اور غیر منقوط قصیدہ کہہ کر اپنے معاصرین سے سبقت پائی ہے۔ غیر منقوط غزل کے چند اشعار ضیافت کام و دہن کے لئے.....

دل آرامد گراو گردد مرارام
کہ دل درد رداوگم کردہ آرام
دلم ہر گاہ دار ددر دِدلدار
رود دردار دہد وعدہ دلآرام

دلم دار دسر او گل محمد
کم آردر و سوئی حکما و حکام

حضرت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہ کی قصیدے میں منقبت کے ابتدائی اشعار۔

سرورے را مدح گوکامد سر اہل علم　　گاہِ حملہ صد اسدرا آہو آساد اوہ رم
آمرِ ہر ملک وصحرا حاکم ہر مصر وکوہ　　عالم و ہم عامل و ہم عادل والا ہمم
او معلم ہم مدرس درس ورع و عدل را　　کردہ ہر سو طالعہ او ماہ عطا مہر کرم
طاہر و اطہر و مطہر کامل، اکمل مدام　　حارس اسلام آمد مصدر الہام ہم

جیسا کہ پہلے بھی حوالہ دیا جا چکا ہے اس سرزمین پر کئی ایک قبیلوں سے متعلق شعراء کرام نے فارسی زبان کو ذریعہ اظہار بنایا ہے اور موجودہ زمانے میں بھی شعرا کرام نے بلوچستان میں فارسی شاعری کے چراغ کو روشن رکھا ہے پروفیسر جناب شرافت عباس صاحب نے خانہ فرہنگ ایران کے تعاون سے ''بلوچستان میں فارسی شاعری کے پچاس سال کے عنوان سے ایک قابل تذکرہ مرتب کیا ہے جو خانہ فرہنگ ایران اور پروفیسر شرافت عباس کی بلوچستان سے محبت اور فارسی زبان کی خدمت کا مظہر ہے اس قسم کے علمی ادبی کاموں میں اہل بلوچستان ان کی مساعی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

بلوچستان میں فارسی شاعری کے پچاس سال میں پچاس سخنوروں کو معارف کریا گیا ہے ان میں پشتو زبان کے جن شعرا کا ذکر کیا گیا ہے ان میں جناب عابد شاہ عابد، سلطان شاہ، حافظ خان محمد، مولوی عبدالقدوس، حمید اللہ محبّ اور الہامی کے اسمائے گرامی آتے ہیں جبکہ مستونگ کے مولوی یعقوب، شیدا، خوش محمد مستونگی دہواری زبان سے متعلق رکھنے والے اساتذہ اور باکمال تھے۔ زیب مگسی اور غلام حیدر شاہ حنفی کا ذکر پیشتر ازیں آچکا ہے۔ یادش بدشرف یوسف عزیز مگسی کا فارسی کلام بھی جناب شرافت عباس صاحب نے دریافت کر لیا ہے۔ بلوچی براہوی زبان سے واستہ شعرا میں ولی پنجگوری، فیصل فقیر، مولانا اسمٰعیل بھل آبادی، مولانا عبدالصمد سربازی، میر محمد حسین عنقا، جناب نور محمد ہمدم، میر پیر محمد زبیرانی ابوالقاسم یحییٰ عینی، محمد اسحاق سوز اور عبدابا بکی قابل ذکر ہیں۔ یہاں یہ حوالہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ میر گل خان نصیر اور ظہور شاہ سید ہاشمی بھی اپنی شاعرانہ حیات کی ابتدائی زمانوں میں اردو اور فارسی میں اظہار کرتے رہے ہیں۔ اگرچہ ابھی تک ان کا فارسی کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔ بلوچستان کے فارسی شعرا میں جناب آغا صادق، جناب محشر رسول نگری، جناب ماہر افگانی، جناب غلام دستگیر ناشاد، امداد نظامی اور عبدالرزاق ناگی، اساتذہ کے مقام کے حامل ہیں۔ بلوچستان

میں ہزارہ قبائل قدیم سے بستے چلے آ ہے ہیں۔ وہ اس سرزمین سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی کہ یہاں کے دوسرے متوطن قبیلے، سیاست، ثقافت، معاشرے میں وہ پشتون بلوچ براہوئی اور یہاں کے بسنے والے دیگر طبقات سے متحد ہیں قدرتی بات ہے کہ انہیں اس سرزمین نے اپنوں کی طرح گلے لگایا ہے۔ فارسی گویا ہزارہ قبائل سے متعلق دو درجن کے قریب شعرا کے اسمائے گرام بلوچستان میں فارسی شاعری کے پچاس سال تذکرے میں مصروف ہیں۔ خود جناب پروفیسر شرافت عباس صاحب اور جناب محمد علی اختیار اور دیگر کئی ایک محترم شعرا سے محبت ومؤودت کے مرے رشتے قائم ہیں۔ فارسی وشعرایا ہزارہ قبائل سے متعلق احباب کے ناموں میں جناب امیر محمد امیر، پرہیز گار، خاوری، عاطفی، نجفی، عالم مصباح، طالب شیرازی، محمد علی اختیار، انور عادل انیس، جوگوری، ولدیت عسکری، اخگر، شفائی، فدا نوشاد، صدف چنگیزی، حجازی محبوب نقوی، ناصر شریعتی اور قابل صد احترام استاد شرافت عباس کے اسمائے گرامی فارسی شاعری درجہ اعلیٰ پہ ہیں۔ ان تمام نامور سخنوروں کا حوالہ دینے سے بے قافی طوالت کا خوف ہے تاہم اجازت دیجئے کہ جناب محمد علی اختیار اور استاد محترم شرافت عباس صاحب کے ایک ایک شعر کا ذکر کر کے اپنی گفتگو ختم کروں۔ جناب محمد علی

اختیار:

خوشادلے کہ بہ سودائے سر گرفتار است
خوشا سرے کہ بہ ہر درد دل خریدار است
تو اختیار بگو برتمام عالمیان
کہ دفع ذلت انسان اولیس کار است

اور جناب شرافت عباس صاحب کی عطا:

لریس مژدہ کہ ہنگامِ وصل یار آمد
خوشابہ مجلس آشتگاں بہار آمد
زاھنہان و ز شیر از وطوس و از ھمداں
عروس وقت ولیلائے روزگار آمد
ردائے علم بدوش و بہ کف گل دانش
بہ چشم لطف معارف عجب نگار آمد
بہ سُبک ھندی، عراقی، براہوئی پشتو
برائے جملہ سرا فراز و افتخار آمد

والسلام

گل محمد ناطق مکرانی کا زادوبوم
ایک تحقیق طلب مسئلہ

عبدالکریم بریالے

گل محمد ناطق مکرانی فارسی کے مائیہ ناز بلوچ شاعر تھے۔ جن کے زادوبوم اور حقیقی وطن کے بارے میں معلومات ابھی تک پردہ اخفا میں ہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ اٹھارویں صدی کے آخری دو عشروں کے درمیان پیدا ہوئے۔ ایک مضمون نگار نے ۱۷ نومبر ۱۷۷۸ کو اس کی تاریخ پیدائش بغیر کسی سند کے قرار دی ہے۔ (۱) انہوں نے زبانی روایت اور قیاس کی بنیاد پر (تسپ) پنجگور کے ملازئی قبیلے سے ان کا تعلق گردانا ہے جس کی تائید کسی تاریخی حوالے اور دیوان کی داخلی شہادت سے نہیں ملتی۔ شیراز اور اصفہان میں جو بہت اہم علمی مراکز رہے ملازئی قبیلے کے لوگوں کی مستقبل آبادی کے آثار تاریخی حوالے سے کم ہی ملتے ہیں۔ ناطق مکرانی نے طالب علمی کا زمانہ زیادہ تر سندھ میں گزارا ہے۔ جن کے حوالے جوہر معظم میں شائع ہونے

والے کلام سے ثابت ہے۔ انہوں نے سندھ (حیدر آباد) لکھنو، دہلی اور لاہور میں زیادہ وقت گزارا ہے۔ (۲) آج تک شائع ہونے والی تحقیق پر مزید اضافہ نہیں ہوسکا۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے تکملہ مقالات شعرا کی معلومات اوران کے مطبوعہ دیوان جوھر معظم جسے پہلے دفعہ ناطق کے شاگرد جوہر سنگھ نے ۱۲۶۹ میں نول کشور لکھنو سے طبع کرایا۔ (۳) کی مدد سے ایک مفصل مقدمے کے ساتھ جوہر معظم کو نظر ثانی کے نام سے بلوچی اکیڈمی کوئٹہ کے زیر اہتمام ۱۹۶۹ء میں دوبارہ شائع کیا۔ (۴) یہی دستیاب معلومات بعد میں مسلسل کئی رسالوں میں شائع ہوتی رہیں۔ (۵)

بلوچستان کے ایک اور محقق پروفیسر شرافت عباس نے اپنی تازہ تحقیق میں اس مسئلے کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جس میں قیام لاہور کے دوران نئے شاگردوں کا سراغ ملا ہے جو اچھی پیش رفت معلوم ہوتی ہے۔ البتہ انکے سنی مسلک کی تبدیلی اور اصلی وطن یا زاردوبوم کے بارے میں کوئی بھی اندازہ تاریخی اعتبار سے درست ثابت نہیں ہوتا۔ فارسی اور بلوچی زبانوں کے محققین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مروجہ روایات یا چند نظموں سے عقیدت کا جو حوالہ ملتا ہے اس سے قطع نظر تاریخی اسناد کے ساتھ ناطق مکرانی

کے ابتدائی ایام کا پتہ لگائیں۔

شیعہ سنی اور ذکری حوالوں سے محققوں نے جو آراء قائم کی ہیں شاید ہی اس سلسلے میں معاون ثابت ہوں۔ عقیدے سے ہٹ کر تاریخی شواہد کو زیدہ اعتماد کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

عبدالغنی بلوچ مہدی موومنٹ ان انڈیا کا حوالہ دیتے ہیں کہ

''ذکریوں نے بلوچی اور فارسی ادب میں بہت شہرت پائی۔ ناطق مکرانی کے علاوہ معروف شعرا ذکری تھے۔ ان کے اسماء گرامی شیخ محمد درخشاں، میر عبداللہ جنگی، شیخ سلیمان، قاضی ابراھیم کشانی پنجگوری، شیخ جلال الدین، قصر قبدی اور ملا ابراھیم جنہوں نے اپنی پیچھے قابل قدر کلام چھوڑا ہے۔(٦)

ایک اندازے کے مطابق میر نصیر خان نوری اور ملک دینار کی لڑائیوں کے بعد کئی علمی گھرانے بکھر گئے جو شورش کی وجہ سے نقل مکانی پر مجبور ہوگئے۔ عبدالغنی بلوچ لکھتے ہیں کہ اکثر متعصب قلمکاروں نے املک دینار کو غلط انداز میں متعارف کیا جس کی وجہ ذکری فرقہ سے ان کا تعلق ہے ورنہ تاریخ میں وہ ایک بہادر سپوت کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ ملک دینار ایک اچھا منتظم، محب وطن اور بہادر حاکم تھا۔ اس کے دور میں مکران کی نیم

مختار حکومت کافی مضبوط تھی۔ یہ فرقہ ملک دینار کے دور میں کافی زوروں پر تھا بلوچستان کے سربرآوردہ لوگ اس فرقہ میں شامل تھے۔(۷)

ناطق مکرانی کے کلام میں منقبت سے بعض محقق یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ لکھنو میں قیام کے دوران انہوں نے شیعہ مسلک اختیار کیا لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا منقبت میں عقیدت کا اظہار ضرور ملتا ہے۔

یہ چند ادشعار جذبے کا مظہر ہیں۔

یا علی مدح تو سنجیدہ نہ حد ناطق است
گر چہ سنجید ست در مدحت ہمہ لب لباب
جزدر مناقب اسد اللہ و آل او
قطعش کنم اگر محترک شود زبان(۸)

لکھنو میں زیادہ عرصہ رہنے کے بعد شعروسخن پر مذہبی اور اجتماعی طرز فکر کا اثر ہونا ایک لازمی امر ہے۔ شعراء کا لہجہ اور فکری رجحان تہذیبی کیفیت کا مظہر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ غیر مسلم شعرا کے یہاں حمد نعت اور منقبت کے اشعار دیوان میں شائع کرنا ایک روایت بن گئی تھی۔ لہذا یہ کہنا کہ ناطق سندھ سے نقل مکانی کے بعد شیعہ مسلک اختیار کر گئے تھے درست معلوم نہیں ہوتا۔ قصائد میں انہوں نے واجد علی شاہ، محمد علی شاہ، نواب شراف الدولہ،

بہادر امین الدولہ کے مزاج اور حالات کو مدنظر رکھ کر اپنی مجبوریوں کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے واجد علی شاہ کے دربار میں جو عرضداشت پیش کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے مقصد برآری اور ضرورتوں کے پیش نظر منقبت مظہر العجائب کے طفیل واجد علی شاہ کے دربار میں اپنی عرضی یوں پیش کی ہے ناطق لکھتے ہیں۔ ''درین عرض عریض یک دفعہ عنایت حسروانی کہ برافراد موجودات واحاد مکونات لاحق است۔ شامل حال تشتت اشتمال دعا گوشدہ بود یعنی برائے تجویز و یقین وظیفہ ام فرمان قضا جریان بر بعضی اہالہ دولت کہ فی الحال معزول المنصب اند سمت اصدر پزیر رفتہ بود آن خفتہ خسروان حبارت سدّ نفاد مثال واجب الامثال نمودہ طلسم محکم اساس تو ہم را بچیرہ دستی خبرگی شکستہ باجہان جہاں حسرت پس زانوی کار خود نشانیدند درین ایام مجدداً بذریعہ منقبت حضرت یعسوب المسلمین علی ابن ابی طالب علیہ وآلہ والصلوٰۃ والسلام کہ بتازگی از خلوت کدہ خلوص نیت وصرف عقیدت بمنصۂ ظہور جلوہ گر شدہ بود را بموقف عرض حاشیہ نشینان بساط فیض مناط رسانیدہ بودم وازین نوت رجای واثق بود کہ بمیامن برکات منقبت حضرت مظہر العجائب والغرائب لامحالہ غریب نوازی شائستہ ربائستہ صورت وقوع خواہد پذیرفت عاقبت الامر آن نیز بقصائد وعرائض طاق نسیان ملحق گردید،،(۹)

حاکموں کی مدح سرائی اس وقت ایک مروجہ رجحان تھا جسکی بنا پر وہ اپنا وظیفہ حاصل کرتے تھے۔ اس لئے حقیقی طور پر اسے عقیدے اور مسلک پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ناطق کے مسلک بدلنے کی واضح شہادت موجود ہے۔ ناطق کی زندگی کے ابتدائی ایام کا پتہ نہیں چلتا اس سلسلے میں کوئی تاریخی دستاویز سامنے نہیں آتی۔ مخدوم محمد ابراھیم خلیل نے ناطن کے بارے میں لکھا ہے۔ ''جامع کمالات، حاوی حسنات، بعربی فائق بہ فارسی رائق میاں گل محمد مکرانی است۔ مشاق بآن حد بود کہ زباد از نصف شرح وقایہ باد داشت وھدایہ فقہ را ہم یاد میکر داز ربع درگزشتہ باشد کلام فارسی ہم بسیار بر زبان داشت در علم صحبت ہم کم کسی باد پہلوزند الفرض عجوبۂ روزگار بود'' (۱۰) ناطق نے سندھ ہی میں درس نظامی کی متداول کتابیں پڑھی تھیں اس لئے ان کا سنی مسلک سے تعلق رکھنے کا حوالہ درست ہے جہاں تک ان کے ابتدائی ایام کا تعلق ہے تو کوئی بیرونی شواہد کی عدم موجودگی میں ہم ابھی تک یہ کہنے میں حق بجانب ہونگے کہ مکران میں ان کی پیدائش۔ جگہ یا مقام اور قبیلہ کے بارے میں وثوق سے نہیں کہہ سکتے۔ خصوصاً زبانی روایات اور اعقادات اور قبائلی شجرہ انساب کا سلسلہ ہمیشہ پیچیدہ رہا ہے۔ جس قبیلے سے انہیں منسوب کیا گیا ہے وہ قبیلہ مختلف اقوام میں بھی اسی نام سے موجود ہے

جو قابل قبول نہیں۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے وطن میں جوہر خداداد کی قدر نہ پا کر ناطق نے سندھ کا رخ کیا (۱۱) یہ بات بھی قابل تامل ہے کیوں کہ مکران میں شورش کے بعد بلوچ قبائل نے سندھ کی طرف رخ کیا۔ جہاں میر فتح علی خان تالپور نے نہایت خلوص اور جانفشانی کے ساتھ بلوچوں کو آباد کیا اور ان کی بہتری کیلئے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ان میں زمین تقسیم کیں اور انکی تعلیم کیلئے بندوبست کیا۔ انہوں نے بلوچوں کیلئے وہ کام کیا جو احمد شاہ ابدالی نے افغانستان کیلئے انجام دیا تھا۔ (۱۲)

لہذا ناطق مکرانی کا سندھ میں وارد ہونا ابتدا ہی سے طلب علم کیلئے زیادہ قرین قیاس ہے کیوں کہ اس وقت ان کی تخلیقی صلاحیت کا اندازہ کسی اور حوالے سے نہیں ملتا سوائے حیدر آباد سندھ کے ٹیاری قصبے سے جہاں وہ علم حاصل کرنے کیلئے قیام پذیر تھے۔ یہ قصبہ حیدر آباد کے قریب ہے جس کا حوالہ ان کی شاعری میں ملتا ہے۔ جہاں انہیں میر صوبدار خان تالپور کی سرپرستی حاصل ہوئی میر صاحب نے انہیں (دلخوش) جس کا بلوچی مترادف (دلوش) ہے تخلص عطا کیا۔ ایک دن ناراض ہو کر کہا تھا۔

عبرو گر طلبی آپ ٹیاری طلب

لقمہ چرب بجزنان جواری مہ طلب

ازاراہ تفنن جواب میں مخدوم میاں عبدالغفور نے فرمایا:

عبرو گر طلبی آب ٹیاری بطلب

لقمہ چرب مجونان جواری بطلب

ان کے ایکدوسرے شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جگہ گہما گہمی سے دور ایک خاموش قصبہ کی شکل میں گوشہ عافیت تھی۔

طرفہ شہر یست متاری کہ بہ سامان گردد

خالی از شور و شر و فتنہ دوران گردد

اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ بچپن ہی میں وارد سندھ ہوئے اور وہی ان کی ابتدائی تعلیم ہوئی لیکن کلام کی یہ داخلی شہادت کسی اور حوالے سے زیادہ قابل اعتماد ہے جو خاک مکران سے نسبت اور ذہنی تعلق کو ثابت کرتا ہے۔ جس کا وہ متواتر ذکر کرتے ہیں بلوچستان میں علم کی تشنگی کا احساس ان کے مضامین سے آشکار ہیں۔

نہ کتابی بہ بغل شان نہ قلم درکف شان

دربغل ھیزم و درست تبری بینم

ھمہ آفق بنو شند گلاب و قند است

مکرایان راہمہ از خون جگر می بینم

صبا از جانب ناطق سلامے خاک مکران را

کہ من چون غنچہ دل در گلشن ہندوستان بستم

مرد مشہور کند نام وطن را ناطق

بایزید این ہمہ جا گفتہ کہ بسطامی ہست

یہ اشعار اپنے وطن مالوف سے محبت اور تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔

گاہ در نالہ ام از دردگر فتاری خویش

گاہ درگریہ ام از فرقت اطفال و عیال

ناطق چو بلا بہ دہر بد فال شدی

دور از وطن و عیال و اطفال شدی

شاعر شدن از بہر فلاکت کم بود

کہ اے خانہ خراب بار رمال شدی (۱۳)

ان اشعار میں فرقت اطفال وعیال کے مضامین اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ ان کے بچے اور خاندان کہیں اور تھے۔ اور وہ وطن سے دور سرگشتہ حیات ہیں۔ ابھی تک محقق اس معاملے کی تفصیل سے قاصر رہے ہیں۔

بر سر بام بیا گوشہ آبرو بنما
روزہ داران جہاں منظر ماہ نواند
بانگی زدیم و سر انا الحق شد آشکار
مارا ازین گناہ ضعیف این گمان نبود
پیالہ بر کفم و محتسب زدیر گذشت
رسید بود بلائے ولے بخیر گزشت

ان اشعار سے ایک اہم نکتہ ان کی شعری استعداد کو ظاہر کرتا ہے جو مرزا غالب سے تعلق کے علاوہ تخلیقی اور فنی قدرت بھی نمایاں ہے جسے غالب کا ہم نشین ٹھرایا جاتا ہے ان کے درمیان خطوط کا تبادلہ اور ملاقاتیں بھی ہوئی ہیں۔ ہمارے بعض قلمکار انہیں غالب کا استاد گرادانتے ہیں جو درست نہیں۔

مثنوی وردوداغ میں ایک شعر میں غالب نے پنجہ زدن استعمال کیا ہے جس کو ناطق نے اپنے خط میں تحریر کیا ہے۔ یہ تعلق غالب کے ساتھ مزید ادبی قربت کی ایک دلیل ہے۔ یہ خط ان کے دیوان میں موجود ہے جسے غالب نے جواباً اس لفظ کو ''بد نفسی'' سے تبدیل کرنے کی بات کہی ہے۔ مذکورہ مثنوی کا ایک شعر جو اس کہانی کا حصہ ہیکہ ایک عورت کی دعا قبول ہوئی کہ وہ پھر سے جوان ہو جائے جوان ہوتے ہی اس کے تیور بدل گئے اور اس

نے اپنے شوہر کو دھتکار دیا۔ چنانچہ شوہر نے اس کی بے وفائی سے آزردہ ہو کر بددعا کی اور وہ سورنی بن گئی۔ مرزا غالب مثنوی میں لکھتے ہیں۔

خوک شدو پنجہ زدن ساز کرد
باسر و رو عربدہ آغاز کرد

ناطق نے اپنے خط میں دوستانہ اور عاجزی کے انداز میں لکھا ہے کہ سور کا پنجہ نہیں ہوتا سم ہوتا ہے اس لئے اس ترکیب کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

''کاتب لفظی بصورت پنجہ قلم دادہ است ایا این چہ لفظ است چہ اگر فی نفس الامر پنجہ باشد بس خوک سُم دارد نہ پنجہ اگر مجالست خطی با پنجہ دار دار علام باید فرمود تا پی بحقیقت آن بردہ باشم''

مرزا غالب نے اپنے خط میں کمال ظرف کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا ہے۔

اکنون از روی نوشتہ شما در نظر جلوہ کرد خوک سُم دارد و پنجہ ندارد کاش نامہ شما پیش ازان کہ کلیات نقش انطباع پذیرد بہ من رسید تا درین مصرع کوک شدو پنجہ زدن ساز کرد'' بجائے پنجہ زدن بد نفسی نبشتمی'' (۱۴)

مولانا غلام رسول مہر مرحوم اپنے خط میں ڈاکٹر انعام الحق صاحب کو

لکھتے ہیں کہ غالب کا یہی خط ناطق کے نام پنج آہنگ میں چھپا ہے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ ان کے درمیان بے تکلف دوستانہ مراسم تھے۔ ایسا نہ ہوتا تو ناطق کو یوں انتباہ کا خیال آتا اور نہ غالب اس انداز میں جواب دیتے۔ اغلب ہے دہلی یا لکھنو میں دونوں کے درمیان ملاقاتیں بھی ہوئی ہوں۔ لکھنو کی ملاقات اس صورت میں ممکن ثابت ہوگی کہ ناطق ۱۸۲۷ سے پیشتر لکھنو پہنچ گئے ہوں اور دہلی کی ملاقات زیادہ یقینی اس لئے ہے کہ ناطق لکھنو جاتے ہوئے دہلی میں ضرور ٹھہرے ہوں گے اور کسی فارسی گو شاعر کا دہلی سے گزرنا اور مرزا غالب کو نہ ملنا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔ (۱۵) ان روابط سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ناطق ان کے استاد ہیں۔ بلکہ ہم نشین اور ہم پلہ شاعر ضرور ہیں۔ غالب کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف ناطق مکرانی کی نثری تحریری سے واضح ہے جو ایک ہم عصر شاعر کے مرتبے کو ظاہر کرتا ہے۔ قریبی ربط رکھنے والے شعراء اپنی تخلیقات ایک دوسرے کو سناتے ہیں اور لفظ و معانی کے استعمال میں مشورے کی روایت بھی پرانی ہے جو شاگرد کے زمرے میں نہیں آتا۔ غالب کا فارسی دیوان تقریظ کی نیت سے ناطق کے حوالے کرنا اور دیر تک ان کے پاس رہنا بھی ذہنی تعلق کو پیش کرتا ہے۔

بلوچستان میں غالب کا یہ واحد حوالہ ملتا ہے جو ناطق مکرانی اور

بلوچستان ہی کے لئے بڑا اعزاز ہے لیکن ناطق کی بلوچی شاعری کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ مکران سے تعلق رکھنے والے دیگر تمام فارسی شعراء بلوچی زبان کے بھی شاعر رہے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی زبان کا بڑا شاعر مادری زبان میں بھی شاعری کرتا ہو لیکن قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اگر ان کا تعلق مرکان کے کسی شہر یا قصبے سے رہا ہو جیسا کہ ان کے کلام کے داخلی اشاروں سے اندازہ لگتا ہے تو ان کا بلوچی کلام بھی ضرور ہوگا جو ایک فطری امر ہے۔ بلکہ فکری طور پر اپنی ثقافتی بنیاد کو ظاہر کرنے کا عملی قدرتی ہوتا ہے۔ اس لئے بلوچی زبان کے محققین اس پہلو پر سنجیدگی سے غور کریں کہ سندھ میں منتقل ہونے والے شعرا نے فارسی کے علاوہ کسی اور زبان میں بھی طبع آزمائی کی ہے یا نہیں۔

فگندہ زلزلہ از ذوق شعر حالئ من
سماع و لیس بقرن و جنید در بغداد

حوالہ جات

۱۔ انگریزی مضمون مطبوعہ روزنامہ ڈان کراچی نومبر ۲۰۰۰ عبدالحکیم بلوچ

۲۔ بلوچستان میں فارسی شاعری ڈاکٹر انعام الحق کوثر بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

۳۔ جوہر معظم دیوان مرزا گل محمد ناطق مکرانی
مدون، جوہر سنگھ نول کشور پریس لکھنو ۱۲۶۹۔

۴۔ جوہر معظم نظر ثانی ڈاکٹر انعام الحق کوثر بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۶۹۔

۵۔ بلوچی دنیا ملتان ۱۹۶۶۔۱۹۵۹ مارچ

سروش کراچی (فارسی) ۱۹۶۰

ہلال کراچی (فارسی) ۱۹۶۹۔۱۹۶۴۔

اولس بلوچی اگست کوئٹہ ۱۹۶۳

جنرل آف ہسٹاریکل سوسائٹہ پاکستان کراچی اکتوبر ۱۹۶۱

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

۶۔ ذکری فرقہ کی تاریخ عبدالغنی بلوچ ص ۱۸۷

۷۔ عبدالغنی بلوچ۔ ذکری فرقہ کی تاریخ ص ۱۱۲ کلری لائن کراچی ۱۹۶۹

۸۔ جوہر معظم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ص ۵۲۔۸۲

۹۔ جوہر معظم بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ص ۱۵۷

۱۰۔ تکملہ مقالات شعرا ص ۲۶۴

۱۱۔ بلوچستان میں فارسی شاعری ڈاکٹر انعام الحق کوثر بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۶۹

۱۲۔ پلنگ و بلوچ میر سردار خان گشکوری بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

۱۳۔ جوہر معظم ص ۱۳۹

۱۴۔ کلیات غالب (فارسی) ۳ نومبر ۱۹۶۸ء

۱۵۔ مولانا غلام رسول مہر کا خط بنام ڈاکٹر انعام الحق کوثر ص ۱۱ جوہر معظم مقدمہ

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۶۹ء۔

گل محمد ناطق مکرانی

(غالب کا یک ہمعصر شاعر)

غلام محمد نورالدین بلوچ۔ کراچی

ابتدائی زندگی:

غیر منقسم ہندوستان کی شاعری کی تاریخ میں بڑے بڑے نام سامنے آ جاتے ہیں جن میں ایک نام گل محمد خان ناطق بھی ہے۔ جو فارسی شاعری اور اپنے کردار کے باعث اپنا ایک الگ مقام رکھتا ہے لیکن یہ بات کسی المیہ سے کم نہیں کہ تاریخ اس کی ابتدائی زندگی و دیگر حالات کے متعلق اپنی لاعلمی کی وجہ سے تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے اور دوسری جانب اس تشنہ لب شاعر کے ساتھ کم سلوک روا رکھا گیا۔ کیونکہ قدیم زمانے سے بلوچستان میں تعلیمی پسماندگی کے سبب بلوچ قوم اپنے اسلاف کے علم و ادب، فنون لطیفہ، بہادری اور شجاعت کے تاریخی کارناموں کو جو بحیثیت قوم اس کا تاریخی

ورثہ ہیں کتابی صورت میں نہیں دے سکی۔ اگر اس ضمن میں چند کتابیں لکھی بھی گئیں تو وہ چند لوگوں کی ذاتی لائبریریوں تک محدود رہیں۔ جو تاریخ تو نہیں البتہ تاریخ کے اوراق ضرور بن گئے۔

بلوچ قوم کے یہاں تاریخ کو محفوظ رکھنے کا ایک الگ طریقہ جاری وساری رہا ہے۔ یہ سیمابی فطرت لوگ تاریخی واقعات، جنگوں کے حالات ان کے شجاعت اور بہادری کے کارناموں اور تاریخی، علمی اور فنی شخصیتوں کی تاریخ کو رزمیہ نظموں کے ذریعے سناتے تھے یوں ایک دوسرے کے گوش گذار کرتے تاریخ کو ایک سے دوسری اور تیسی نسل تک بحفاظت پہنچاتے آ رہے تھے۔

ان حالات میں کسی مورخ کیلئے ان کی باقاعدہ تاریخ لکھنا مشکل ہی نہیں بلکہ سخت مشکل اور بے حد محنت طلب امر تھا۔ چنانچہ یہ تشنہ لب شاعر تاریخ کے طالب علم کو اپنی ابتدائی زندگی اور اس کے حالات سے سیراب نہ کرسکا۔ فقط اپنا نام اپنی شاعری اور اپنے مضبوط کردار کے باعث زر اوراق کرسکا۔

تحقیق اور بارتوق شواہد کے تحت یہ بت قرین قیاس ہے کہ آپ انیسویں صدی میں ایرانی مکران موضع سرباز میں متولد ہوئے۔ شاعری

میں آپ نے اپنے وطن مکران کے نام تخلص اختیار کیا۔ بلوچی میں آج بھی گل محمد ناطق مکرانی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ پہلی بار مرحوم عبدالصمد سربازی قاضی قلات نے آپ کو ۱۹۳۳ میں روشناس کرایا۔ مرحوم قاضی قلات نے ناطق مکرانی پر مقالے بھی لکھے۔

حیدرآباد سندھ کا سفر:

چونکہ مکران کے عوام کی غالب اکثریت غیر تعلیم یافتہ تھی۔ اسلئے ان کو شعروادب سے کوئی شعروادب سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا اوران کے ہاں اس وقت گل محمد خان ناطق مکرانی کے علاوہ کوئی بھی شاعر نہ تھا۔ یوں آپ ذوق شاعری کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا اور معاشی طور پر بھی آش کے حالات دگرگوں تھے۔ لوگوں کو کم مائیگی اور معاشی حالات سے تنگ آ کر آپ نے اپنے آبائی مقام سے رخت سفر باندھا۔ اور حیدرآباد سندھ تشریف لائے۔ ان دونوں سندھ پر تالپوروں کی حکومت تھی آپ نے یہاں کئی ایک شہزادوں سے ملاقات کی لیکن کسی نے بھی آپ کے اندر پوشیدہ جوہر کو محسوس نہ کیا۔ یوں آپ پھر ایک تشنہ لب مرغانی کی طرح سرگرداں رہے۔ اور ملک ملک دیس دیس آپ سفر کرتے رہے تا کہ آپ کے علم کی تشنگی نیز گرسنگی بھی دور ہو جائے۔

دہلی کا سفر

گل محمد ناطق مکرانی حیدر آباد (سندھ) کو چھوڑ کر دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں شاعروں کی کمی نہ تھی بہادر شاہؒ ظفر کے دربار میں کئی بلند پایہ فارسی اور اردو شعرا تھے۔ مرزا اسد اللہ خان غالب فارسی شاعری میں کافی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ گل محمد خان ناطق مکرانی کی مرزا غالب سے دوستی ہوگئی اور آپ س میں خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب مرزا غالب اپنے رقیب شاعروں سے بے حد تنگ آ چکے تھے۔ جو آپ پر ہر پہلو تنقید کیا کرتے تھے آپ بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا کرتے تھے ان ہی دنوں مرزا غالب نے اپنے ایک رقیب کے متعلق ایک مصرعہ لکھا۔

خوک شدو پنجہ زونی ساز کرد

باسود و عربدہ آغاز کرد

گل محمد خان ناطق مرکانی نے اپنے ہمعصر مرزا اسد اللہ خان غالب کو ایک فارسی مکتوب میں نہایت دم اور مودبانہ لہجے میں تحریر کرتے ہوئے فرمایا کہ خوک یعنی سور کا پنجہ نہیں ہوتا بلکہ سم ہوتا ہے۔

لکھنو کی طرف کوچ:

اس زمانے میں لکھنو کے نوابوں کی محفلیں خوب گرم ہوا کرتی تھیں

اور دور دراز سے شاعر وہاں جمع ہوتے تھے۔ جناب ناطق مکرانی کو جب لکھنو نوابوں کے دربار تک رسائی حاصل ہوئی تو وہ آپ کا کلام سے بے دمحفوظ ہوئے۔اور رفتہ رفتہ آپ کو واجد علی شاہ تاجدار اودھ کے بارے کا شاعر مقرر کیا گیا۔آپ کیلئے یہ اعزاز کچھ کم نہ تھا۔آپ عموماً محمد علی شاہ وامراد دولت کے مدح لکھا کرتے تھے۔شمع انکمن کے فاضل مصنف نے طاق مکرانی کو اس دور کے بلند پایہ شاعروں میں شمار کیا ہے۔

جناب گل محمد خان ناطق مکرانی وقتی طور پر خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے اور وہ مستقلاً لکھنو میں رہائش کے خواہشمند تھے۔چنانچہ وہ اپنے وطن اور اہل وعیال کو فراموش کر چکے تھے۔اس ضمن میں وہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

صبا از جانب ناطق سلام خاک مکران را
کہ من چوں غنچہ دل در گلشن ہندوستان بستم

ایک اور جگہ کہتے ہیں۔

اے عزیزان دست بشوئیداز من
کہ کشتہ ہندم بسبزان گلابی پوشش

جناب ناطق کا ایک بڑا مربی قوت ہوا۔اور اودھ میں انگریزوں کی سیاسی سازشوں کے سبب افراتفری پھیل گئی۔اس طرح ناطق مکرانی کی

قسمت پھر پلٹ گئی اور اس کی شان وشوکت بھی ختم ہوگئی اور دوبارہ معاشی طور پر بدحال ہوگئے اس تباہ حالی اور تنگدستی میں آپ کو پھر آبائی وطن مکران اور اہل عیال یاد آنے لگے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

ناطق چوں بلا یدھر بدفال شدی
دور از وطن و عیال و اطفال شدی
شاعر شدن از بہر فلاکت کم بود
کائی خانہ خراب باد رمال شدی

ایک اور جگہ مفلسی کی نسبت فرماتے ہیں۔

ناطق نشد بحبر کفن حاصلم زدہر آن ہم بہ مزد گورکن، گورکنی گرفت

آپ اپنے افلاس اور مشکل حالات میں بڑے صبر وشکر سے کام لیتے ہیں۔

بہادر شاہ ظفر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار تھے۔ انگریزوں نے سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کے شہزادوں اور لاکھوں مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔ شہنشاہ ہند پر پیرسنی میں ظالمانہ انسانیت سوز تشدد روا رکھا اور آخرکار آپ کو رنگون میں ۱۸۵۷ کو نظربند کر دیا گیا۔

بہادر شاہ ظفر چونکہ مرزا غالب کے کفیل تھے۔ بہادر شاہ ظفر کے

زوال کے بعد آپ بھی گل محمد ناطق مکرانیکی طرح بے بس مفلس اور قلاش ہو گئے۔ ان دنوں مرزا غالب اپنی قلیل پینشن اور بقی ماندہ زندگی بسر کرنے کیلئے انگریزوں کے دفتر کے چکر کاٹتے رہے۔ لیکن تاج برطانیہ نے ان کی کاوشوں کا کوئی نوٹس نہ چنانچہ غالب نے اس مشکل کا حل یوں نکالا کہ حکومت برطانیہ کی تعریف وتوصیف میں ایک کتاب لکھی جس کا عنوان ''دستنبو'' رکھا جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور تاج برطانیہ نے انہیں حکومت اگلیشیا کا پکا وفادار قرار دے کر پینشن بحال کردی۔

یہ دو ہم ہمعصر شاعروں کے چیدہ چیدہ حالت ہیں۔ ایک وہ جو مورخ کی تحقیق سے محروم ہوکر اپنے خدوخال واضح نہ کرسکا۔ فطق تاریخ میں اپنا نام اجاگر کرسکا جبکہ دوسرا محقق، مورخ اور نقاد کی نگاہوں میں آ کر ساف اور واضح ہوگیا۔

ناطق مکرانی کی وفات:

گل محمد خان ناطق مکرانی کو زندگی بھی اپنے وطن جانے کا اتفاق نہ ہوا۔ آخر کار آپ ہجری ۱۲۶۴ میں لکھنو میں وفات پا گئے!

آپ کی تاریخ وفات:

گل محمد خان ناطق مکرانی وفات..... ہے ۱۲۶۴ ھجری

ناطق مکرانی

بلوچستان کا مایہ ناز شاعر

الحاج مولانا قاضی عبدالصمد سربازی۔قلات

مرزا غالب کا ہمعصران کا دوست اور فارسی میں ان کا ہم شاعر جس کی یاد دونوں کے متعدد خطوط سے تازہ ہے۔اس کی شخصیت کس کے لیے دلچسپی کا باعث نہیں ہوگی.....اس کی زندگی اور کلام کا مطالعہ

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے

دیار پاک کے ہر علاقہ نے اس کے ثقافتی ورثہ کو فروغ دینے میں کچھ نہ کچھ حصہ لیا ہے۔مکران کا پہاڑی ریگستانی ساحلی علاقہ جو پاکستان اور ایران دونوں میں شامل ہے علم وفن کی شاہراہوں سے دور ہٹا ہوا اور وادی مہران کے تہذیبی مرکزوں ٹھٹہ،حیدر آباد،سیون سے دور بادی النظر میں شعروادب کے فروغ کے لئے کچھ ایسا موزوں معلوم نہیں ہوتا لیکن ادب و

فن کو جو ذوق ہمارے ہاں ہمیشہ عام رہا ہے وہ اس شورزار میں بھی شاعری کے پھول کھلائے بغیر نہ رہ سکا۔ آخر وہ علاقہ جو سسی پنوں کے پیار و محبت کی داستان سے متعلق ہو وہ اس رنگین چیز سے کیسے محروم رہ سکتا تھا۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں سے جواں سال مسلمان سپہ سالار محمد بن قاسم کی فوجوں نے کوچ کیا تھا اور آگے بڑھ کر تمام وادی مہران کو زیر نگوں کر کے سارے علاقے پر اسلام کا پرچم لہرا دیا تھا۔ اس لئے یہ اور بھی ہماری دلچسپی کا باعث بن جاتا ہے یہی خاک تھی سسی کی بے تاب محبت کے باعث رومان ہی رومان اور محمد بن قاسم کی غیر فانی یادوں سے لبریز جس سے دیار پاک کی دیرینہ ثقافت کا ایک جلیل القدر مظہر اور فارسی کا ایک بڑا خوشنوا شاعر پیدا ہوا۔

عبا از نکہت گلہائے باغ فطرت ناطق
بگرداں تازہ روح بلبل گلزار آمل را

یہ پیکر شعر و سخن مکران ہی کا یک جوہر قابل تھا۔ گل محمد خان ناطق یہ وہ زمانہ تھا جب شاہان ہند کی فیاضی کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور ایران کے بڑے بڑے نامور شعرا عرفی، نظیری، طالب، املی، مرزا صائب وغیرہ ہم بھی ان مہتم باشان مسلمان شہنشاہوں کی بے دریغ بخششوں کا حال سن سن کر برصغیر و ہندوستان کھنچے چلے آتے تھے اور اپنے مالوف سے رخت سفر

باندھ کران کے درباروں میں رسائی حاصل کرنا اپنی تمناؤں کی معراج تصور کرتے تھے۔اس لئے جیسے شاعر خوشنوا نے کہا تھا۔

ہمچو عزم سفرہند کہ در دل باشد
رقصد سودائے تو در، ہیچ سرے نیست کہ نیست

چنانچہ ارباب کمال جوق در جوق ان شہنشاہان ''سخنورنواز'' (شاہ سخن سرائے سخن نوازرا.....غالب) کی بارگاہ میں آتے تھے اور اپنے کمال فن کی بدولت نہ صرف شاہی انعامات سے دامن مراد بھرتے تھے بلکہ گوناگوں اعزاز واکرام جاہ ومنصب سے فیض یاب ہوتے تھے۔انہی شاعران شیریں نوامیں سے ایک ناطق بھی تھا۔تیرہویں صدی ہجری یعنی انیسویں عیسوی کا بزلہ سنج،نغز گوشاعر جس کا دل بھی ''رقص سودا'' سے بیگانہ نہ رہ سکا۔بمصداق حافظ شیراز

سخن دانی و خوش خوانی نمی ورزند درشیراز
بیا حافظ کہ ماخودرابہ ملک دیگر اندازیم

وہ اپنے وطن عزیز مرکان کو چھوڑ کر اسی مرجع خواص وعوام کی طرف روانہ ہوا۔ذرائع واسباب سفر کی کمی کے باوجود دشوار گزار رستوں سے خدا جانے کن مصیبتوں کا سامنا کرتا ہوا پہلے دہلی پہنچا اور پھر لکھنو جہاں وہ کئی

برس رہا اور اپنے جوہر دکھائے۔ ان دنوں اودھ میں محمد علی شاہ اور واجہ علی شاہ کا دور تھا۔ چنانچہ ناطق نے شاہان اودھ اور دیگر اراکین دولت نواب امین الدولہ قطب الدولہ، شرف الدولہ، سعید الدولہ وغیرہ کی تعریف میں قصائد لکھے۔ انہیں اپنے عہد کے شعرا میں امتیاز حاصل تھا۔ چنانچہ تمام اراکین دولت اور اعیان سلطنت ان کو مسلم الثبوت استادوں میں شمار کرتے تھے اور ان سے فرمائشی قصائد وقطعات لکھوا کر داد سخن دیتے تھے۔ انہیں قصائد کے علاوہ دیگر اصناف شعر پر بھی دسترس تھی۔ اس لئے وہ اپنے کلام امیر خسرو جیسے نامور شاعر کا تذکرہ بھی اس بے تکلفی سے کرتے ہیں گویا وہ انہیں کے زمرہ میں شامل ہوں۔

ناطق بیا کہ از نئے کلک تو تنگ تنگ
شکر بہکام طوطی ھندوستان کنم

اور یہی کیفیت غالب کی ہے جن کے وہ معاصر بھی تھے اور جیسا کہ ان کے بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے مبصر بھی مگر بڑے ادب اور پاس ولحاظ سے اپنی سخن شناسی اور انکی مرتبہ شناسی کا حق ادا کرتے ہوئے۔ یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے غالب کی مثنوی ''درد داغ'' کے ایک شعر پر بڑی دلچسپ اور پتے کی بات کہی ہے۔ ایسی کہ خود شاعر نے اسے بڑی خوشی سے

قبول کیا اور اس شعر مناسب تبدیلی کی۔ ورنہ غالب کہاں اور فارسی کے بارے میں کسی کی رائے کی برداشت کہاں۔ غالب نے اس مثنوی میں ایک دلچسپ کہانی بیان کی ہے کہ کس طرح ایک عورت کی یہ دعا قبول ہوئی کہ وہ پھر سے جوان ہو جائے۔ جوان ہوتے ہی اس کے تیور بدل گئے اور اس نے اپنے شوہر کو دھتکار دیا۔

مہر حق صحبت و الفت شکست
رنگ بہ رخسارہ ہمت شکست

چنانچہ شوہر نے اس کی بے وفائی سے آزردہ ہو کر بددعا کی اور وہ سورنی بن گئی۔

خوک شد پنجہ زدن ساز کرد
با سرور عربدہ آغاز کرد

اس پر ناطق نے مرزا غالب کو دوستانہ طور ایک پر لطف خط لکھا۔ جس میں بڑے دردانگیز پیرائے میں اپنے احوال بیان کرنے کے بعد یہ لکھا تھا کہ:

''کاتب لفظے بصورت پنجہ بقلم داداست آیا ایں چہ لفظ است چہ اگر فرنفس الامر پنجہ باشد بس خوک سم دارد نہ پنجہ۔ واگر مجانست خطی با پنجہ دار

دیا آنکہ نزد شعرا، اطلاق سم و پنجہ برمحل ہمدیگر جائز الاستعمال است۔ پس اعلام باید فرمود تا پے بہ حقیقت آن بردہ باشم"

غالب کی سلیم الطبعی اور حق پرستی کی داد دینا چاہئے کہ انہوں نے اس تبصرہ کو معقولیت محسوس کی اور پہلا مصرع یوں بدل ڈالا۔

خوک شد بہ نفسی ساز کرد

بدقسمتی سے ناطق کا زمانہ برصغیر میں مسلمان سلطنتوں کے انتہائی انحطاط وزوال کا زمانہ تھا۔ مغل فرمانرواؤں کا دور گزر چکا تھا۔ اس لئے نہ قند فارسی کی وہ گرم بازاری رہی تھی نہ اس کے قدردان باقی تھے۔

ح بشکست و آن ساقی نماند

بنابریں لکھنو میں ناطق کی غربت سے زنگ آلودہ تیغ جوہردار کی کوئی قدردانی نہ کی گئی جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں۔

تیغ صد گین بہائیم ولے بے قدریم
از سیہ بختی یا سبز نشد دانہ ء ما

مرزا ناطق نے فارسی میں مختلف لوگوں کے نام کتنے خطوط لکھے ہیں اوران میں سے ابعض میں اپنے بے قدری اور تنگدستی کی شکایت کی ہے مرزا غالب کے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"کمابیش دہ سال میگذرد کہ زمیں گیرایں دیار میباشم اما طرفہ گیہائے کہ ازضع ایں دیاریاں دیدہ ام ہیچ کافر بنیاداز خواص وعوام ایں مخلوق کمتر کسے بود باشد کہ نسبت تعارف اسمی یا جسمی با من درست نگردہ باشد، بلکہ از بدایت ورود تا حال بزعم خود از جرگ اساتذہ مسلم الثبوتم بصد ابرام از من ربودہ بدستانہا می سرایند و نیز ہیچ نوا بے وفا بئے دریں سرکار و نیامدہ کہ سلسلہ جنبانی ناخن بندی و پپاس وستائشم بفضل و کملہ کہ ندارم بحضورِ بادشاہ وقت خود نکردہ باشد ولیکن بایں ہمہ آشی کہ در دہلی بہ کاسہ داشتم دارم"

کہیں یہ مرزا غالب کو خط لکھتے ہوئے انہیں مشرب تو اختیار نہیں کیا گیا' کیونکہ خطوط میں احباب کو اپنا دکھڑا سنانے کا طریقہ غالب ہی نے اختیار کیا تھا۔ اس کے برعکس وہ ایک اور مکتوب میں دہلی اور وہاں کے قدردانوں کی توسیف فرماتے ہیں۔

"دلم از صیاد منشان اینجا مانند مرغ آشیاں گم کردہ ماند کہ نہ صبح قرارے دارد نہ شام آرامے۔ وحشیانہ دریں خرابہ بسر می برم بکمال بے لطفی میزیم۔ کلان تران اینجا با ایں ہمہ تعارف مجہتا غیر ازیں کہ بہ واہ واہ نواز ندو در پلہء اساتذہ نامداد نجند، بہ ورعایتے نمی آیند۔ در مسلک سلوک قدمی نمیگذارند۔ دہلی در حق ما صد درجہ رجحان برایں دیار نا پرساں داشت۔ یاران

قدرشناس بایں ہمہ کوتاہ دستی درباره ءماید طولی داشتند و بہ زرقدرداں کالائے کاسدم بودند!''

مرزاغالب کے تقاضائے بیہودہ سے فروش اوردوسریقرض خواہوں کے ابرام کوسامنے رکھیے اور ناطقکی ان سطور پرنظرڈالیئے ایک طرف تلاش بلااحتیاج یومیہ ایک طرف تقاضائے بیہودہ قرض خواہان خاصہ ابرام گدایانہ صاحب خانہ کہ چند ماہ کرایہ بذمہ فقیر دارد'' پھر غالب کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہفتد لل است کہ یانکد گرآویختہ ایم
ن و غاسب چوسر دشتہ شمع روم گاز
کوہ زاعربد ہبد سر ووشیس سرکش
داد ازخانہ برانداز کن چرخ کج باز

اور پھر ناطق کے یہ الفاظ:

یازدہ سال میگذردگہ بفرمائش مربیاں صدہانظم ونثر پرداختم وبغیر حرماں چیزے دیگر نیندوختم''

صاف ظاہر ہے کہ غالب کی نظم نثر خط نویسی کے انداز اوراب لہجہ کا ناطق پر گہرااثر ہےاوران کے شعر کے شعراورجملے کے جملے اس یگانہ روزگار

کا پرتو ہیں۔ یہاں تک کہ مماثلت اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے:

''دیروز دیگ و چمچہ و آفتابہ کہ باقیماند دولت لکھنو بود۔ آں ہم بفروختن رفتند''

یہ الگ موضوع ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں اور بسیط مطالعہ کے لائق ہے۔ ناطق نے اپنی ناقدردانی کو بری طرح محسوس کر کے منفی بلکہ بڑے بدیع پیرایہ میں اس کی شکایت کی ہے

ناطق از خجلت کم قیمتی ء خویش بدہر
آب شدبار دگر گوہر یک دانہ ء ما

اپنے ناگفتہ بہ حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ناطق نشد بجز کفنے حاصلم بدہر
آں ہم بمزد گور کنی گورکن گرفت

مرزا غالب زیادہ رند مزاج اور زندہ دل تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی تنگ دستی کی داد بڑی خوش طبعی سے یوں دی ہے۔

صرف بہائے مے ہوئے آلات میکشی
تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

ان ناسازگار حالات کے علاوہ اہل وعیال کی جدائی الگ رلاتی

رہی اور ساتھ ہی یاران وطن کی یاد ستاتی رہی۔

گاہ درنالہ ام ازدرد گرفتاری ء خویش
گاہ در گیرہ ام از اطفال و عیال
اے عزیزان وطن دست بشوئیداز من
کشتہ ہندم و سبزان گلابی پوشش

اس عالم میں وطن عزیز کو یاد کر کے بادصبا کے ذریعہ خاک مکران کو سلام پہنچاتے ہیں۔

صبا از جانب ناطق سلامے خاک مکراں را
کہ من چوں غنچہ دل درگلشن ہندوستان بستم

اور دل کو خوش رکھنے کو کبھی کبھی اپنی بڑائی سے مرکان کا نام بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مرد مشہور کند نام وطن را ناطق
بایزید ایں ہمہ جا گفتہ ء کہ بسطامی ہست

اس غریب الوطن کو دوبارہ آب ہوئے دیار نصیب نہ ہوا اور نہ عیال واطفال اور عزیزوں کا دیدار۔ اس غم والم ہجر وفراق اور سوز وگداز کی حالت میں داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے ۱۲۲۴ ہجری میں جان بحق تسلیم کی۔ ''ناطق

مکرانی محمد خان'' تاریخ وفات ہے ان کے شاگرد رشید جواہر سنگھ جوہر نے اس سال ان کا جو کچھ کلام دستیاب ہوسکا۔ اس کو کتاب کی شکل میں ترتیب دیکر اہم تاریخی ''جوہر معظم'' رکھا۔ یہ مجموعہ نولکشور میں ۱۲۷۷ ہجری میں طبع ہوا۔ اس طرح شاگرد نے اس کے جملہ اصناف کلام، قصیدہ، غزل، رباعی، مخمس، مسدس، مثنوی وغیرہ کو تو جمع کر دیا لیکن افسوس ہے کہ ان کے حالات زندگی پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ یعنی وہ کب پیدا ہوئے ان کے والد کون تھے۔ کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کس سے اور کہاں علم کی تحصیل ہوئی۔ مکران کے کس شہر سے تعلق رکھتے تھے۔ کیونکہ مکران ایک وسیع علاقہ ہے جس میں سینکڑوں شہر اور بستیاں ہیں اور اب اسکا کچھ حصہ پاکستان میں ہے اور کچھ ایران میں۔ وہاں سے کب ہجرت کر کے ہندوستان آئے۔ دہلی میں کتنا عرصہ رہے۔ وہاں سے لکھنو کب پہنچے۔ کتنے سال وہاں رہے اور کس حالت میں رہے۔ ممکن ہے آئندہ کس اور جگہ اس کمی کی تلافی ہو سکے۔

ظاہر ہے ہماری دلچسپی زیادہ تر شاعر کے کلام ہے۔ اس نالہ وفریاد کو دیکھتے ہوئے جس کا ذکر اوپر آیا ہے خیال ہوتا ہے کہ اس شاعر کا سارا کلام اس سے پر ہوگا مگر معاملہ اس کے برعکس ہے ایسے اشعار کہیں کہیں ہی نظر آتے ہیں جیسے غزلوں میں عموماً ہوتا ہے۔ اور پھر اس کا کلام غالب ہی کے

فارسی کلام کی ہلکی کشید ہے۔ جیسے وہ دانستہ یا نادانستہ اسی کے رنگ میں بہنے کی کوشش کر رہا ہو اور اس کا نتیجہ کلام غالب منفی غالب ہو۔ اسی سے ملتی جلتی زبان طرز، اسلوب، پیرائے یہاں تک کہ بہت سی غزلوں کی زمینیں بھی وہی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ مشابہتیں ملاحظہ کیجئے۔

غالب:

تلخا بہ ء سر چوش گداز نفس است ایں
درکسور بیداد تو فرمان قضانیست

ناطق:

یک قطرہ زہر اب گداز نفس
برشربت دینار نچسپد مگس ما

غالب:

دا غم از پردہ ء دل روبہ قضامی آید

ناطق:

نگہ از چشم تو ہم روبہ قضامی آید

دوسری زمینیں: گو برد۔ بسمل افتاداست

ان امور کی وجہ سے یا معلوم ہوتا ہے گویا ہم غالب کی فارسی شاعری

کو آسان اور سلیس شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ جس سے اس کی عظمت تو پیدا نہیں ہوتی لیکن جھلک ضرور نظر آتی ہے۔ اس بنا پر یہ بھی گمان ہوتا ہے کہیں پریشانی احوال کا ذکر بھی غالب ہی کے رنگ میں رنگے جانے کا نتیجہ نہ ہو اور یہ بڑی حد تک درست بھی معلوم ہوتا ہے۔ چند اور مثالیں اس گمان کو یقین کی حد تک لے جاتی ہیں۔

غالب: فرد کند نفس سرد من جہنم را

ناطق: زاہ ما سرشود گرمی ہنگامہء حشر

توائی اضافات: حدیث لذت لعل حلاوت دستگاہ او

غالب:

دمید دانہ و بالید و آشیاں گہ شد
در انتظار ہما دام چید نم بنگر

ناطق:

گزشت موسم در فتند ہمرہان وہنوز
سفینہء من مسکیں ساحل افتاد است

غالب:

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں

گوش قفس کے مجھے آرام بہت ہے

ناطق:

گر چو بلبل کلبہ ء از خارو خس باشد مرا
کشتنی باشم اگر گلشن ہوس باشد مرا
کے میسر می شود مرغان باغ خلدارا
ایں فراغت ہاکہ در کنج قفس باشدمرا

تیور: فارغ از آفت ماباش کہ اخصم خودیم!

رفتم بسوئے کعبہ زکوئے بتاں ولے
حسرت و دید از پے و دامان من گرفت
گفتم کہ چہ شد ذوق غمیت گفت تو برد
گفتم کہ چہ شد زخم دلت گفت عدوبرد
کم کن سخن از کو ثر و تسنیم کہ نتواں
ازدل ہوس بادہ بسر چشمہ و جوبرد
یاد آنکہ بہ اب خند دبا چرب زبانی
او بر و دل از ناطق و ناطق دل از وبرد
آب حیوان و ہلاہل اگر آری بہ برم

آں بکام تو فرور یزم و ایں نوش کنم

اور غم ہستی کی ترجمانی میں تو وہ تمام فارسی شاعروں سے زیادہ غالب کے قریب ہے اور خود بھی نمایاں امتیاز رکھتا ہے۔ اس نے اس سلسلہ میں خاصے مضامین بھی پیدا کیے ہیں اور اسالیب بھی!

در کف خویش پئے کشتین خود شمشیرم
پیچ و تابے کہ خور داز غم او جوہر ما
فارغ از آفت ماباش کہ ماخصم خود یم
زآدہن تیشہ فرہاد بود خنجر ما
تا بکے از سخت جانی نیم بسمل زیستن
می زنم ایں بار برتیغے کہ بس باشد مرا
(میں رک رک کے نہ مرتا جو جفا کے بدلے
دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غم خوار کے پاس
جرس بنالہ ندانم مقلد دل کیست
کہ ناقہ بنالہ ندانم مقلددل کیست
کہ ناقہ بے خود و لیلیٰ زمحمل افتاد است
غم ز دولت بیداد دلبراں ناطق

به شادی ء همه عالم مقابل افتاد است

ان تمام اشعار سے یہ دور باعیاں زیادہ پرسوز ہیں اور ناطق کے اندوھناک تجربہ زندگی کا حاصل:

دربستہ نجانہ اندروں می گویم
تاپے نبرد کسے کہ چوں می گویم
دور از لب میگون تو مانند کباب
می سوزم دمے نالم وخوں می گویم
عمر یست کہ تیر خرخ را آما جم
برتارک افلاک فلاکت تاجم
یک شمہ ز مفلسی ء خود شرغ و ہم
چند آ نکہ خدا غنی استمن محتاجم

دوسری رباعی کے مصرع ثانی میں پھر غالب ہی کی گونج سنائی دیتی ہے۔

شاہیم زبانہ افسر داغ اورنگ

بے کسی کے عوالم میں وہ اپنی یوں تسلی کرلیتا ہے

نیست غم ناطق نبا شد گر کسی من ہیچ کس

بے کسی تا ہست نے پروانہ کس باشد مرا

ان امور سے قطع نظر ناطق نے بعض بڑے اچھوتے خیالات کی ترجمانی بھی کی ہے

دار سیدم بجائے من وناطق در عشق
کہ بود بلبل و پروانہ نصیحت گرما
صورت چو معنوی ست بنازش نیاز نیست
بت بے کر شمہ دل زکف برہمن گرفت
یاد آنکہ گرازدل نگہش تیر بر آورد
نشتر برگ جاں من آں غمزدہ فروبرد

اس لحاظ سے وہ غزل جس کی زمین ''میاں بستم'' ہے سب سے نمایاں ہے کیونکہ اس میں ایک جسارت آمیز احساس نے مسلسل جذبہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ یہاں تک کہ ایک شعر میں سلسلہ اقبال کی ''مشکل کشی جفا طلبی'' تک جا پہنچتا ہے۔

نخواہد ہمتم محرومی کس گوبود دشمن
پئے آگاہی رہزن جرس برکارواں بستم
شب وصل است امشب تانہ انجامد بہ کوتاہی

بخورشید جہاں افروز اراہ کارواں بستم

اور وہ شعر جس سے یہ جرات آمیز سلسلہ فکر انتہا تک پہنچ گیا ہے یہ ہے۔

بشاخ گل نشیمن ساختن بر بلبل ار زانی

کہ من در چنگل شہباز خوں ریز آشیاں بستم

اس سے ظاہر ہے کہ ناطق کا شمار ان منفرد شعرا میں نہیں جو صاحب طرز یا مجتہد ہوں۔ اسے مقلد بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اگر چہ اس کا سہل اور سادہ انداز ایک طرف مسعود سعد سلمان اور امیر خسرو اور دوسری طرف شیخ علی خرین کی خبر دیتا ہے اور پھر اکبری دور کے رومانوی شعرا کی جھلکیاں ل ء ہوئے غالب میں اس طرح ڈوبا ہوا ہے کہ وہ دوسرا غالب معلوم ہوتا ہے۔

نہ وہ بڑا شاعر ہے اور نہ کچھ ایسا با کمال۔ پھر بھی اس میں کچھ بات ضرور ہے۔ شاید وہ ''دستہ دستہ غالب'' تو نہیں مگر جستہ جستہ ضرور ہے۔ ہمیں اس پر ایک چھوٹے غالب کا گمان ہوتا ہے اس لئے اس کی شاعری اپنی قدامت، رسمیت اور محض غزل گوئی کے باوجود دلچسپی سے خالی نہیں۔ وہ ایسا شاعر نہیں جس پر ہم نگاہ غلط انداز ڈالتے ہوئے بے توجہی سے گزر جائیں۔ یہی کیفیت اس کی غالب نما خطوط کی بھی ہے غالباً اس لئے معاصرین ان کو

اساتذہ میں شمار کرتے تھے۔ بقائے دوام کے لئے اتنا امتیاز بھی کافی ہے۔

ناطق مکرانی اپنے خیابان کا واحد پھول نہیں۔ مکران اور بلوچستان کی خاک سے سینکڑوں علما کرام و مشائخ عظام، شعرائے نکتہ سنج و بذلہ گو، دلیران نبرد آزما و جنگجو، بہادران شمشیر زن و ہژبران صف شکن اٹھیا، حاتم مثالو کریماں نیکو خصال، عاشقان پاکباز و عارفان محرم راز زاہدان خلوت گزیں و مردان خدا پرس وحق میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض آسمان مکران و بلوچستان پر ستارہ وار درخشاں ہیں اور بعض گمنامی کی حالت میں دنیائے بے بقا سے چل بسے۔ بقول سعدی:

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند
کزامیش بزیر زمیں یک نشاں نماند

مگر ناطق مکرانی کی حد تک نام بھی باقی ہے اور نشان بھی۔ اس کی برلطف شاری اور دلچسپ مکاتیب سے ہم دیار پاک کے اس قابل قدر ورثہ کا سراغ پاتے ہیں جس نے فارسی ادب کی بہار عجم کے مقابلہ میں بہار ہند کو جنم دیا تھا اور جس پر ہمیں آج بھی ناز ہے۔

گل محمد ناطق مکرانی کا مجموعہ کلام

''جوہر معظم''

ڈاکٹر سلطان الطاف علی

زیر نظر کتاب بلوچستان کے اتھارہویں صدی کے عظیم شاعر گل محمد ناطق مکرانی کا مجموعہ کلام ہے جو بلوچی اکیڈمی کوئٹہ کے زیر اہتمام جو ۱۹۶۹ میں طبع ہوا۔ اس کی ترتیب ونظر ثانی ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کتاب ۱۶۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا فاضلانہ مقدمہ کتاب کے تعارف کے لئے اہمیت کا حامل ہے۔ کاغذ عمدہ ہے۔ جلد بندی کی گئی ہے۔ کتاب کا سائز میناہ اور کتابت خط نستعلیق میں ہے۔ البتہ کہیں کہیں اشعار اور جملوں کے درمیان خلا نظر آتا ہے مگر کوئی حرف غائب نہیں۔ بعض مقامات پر نقاط اور مدیں کتابت میں سہوارہ گئیں ہیں۔ ڈاکٹر کوثر نے کتاب

حاصر کی ترتیب وتدوین وغیرہ کے سلسلے میں بیسیوں کتب ورسائل کے علاوہ
جواہر سنگھ جوہر کے مرتب کردہ جوہر معظم (مطبوعہ لکھنو ۱۲۷۷ھ) کو بھی پیش
نظر رکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کلام ناطق کے آغاز سے پہلے چند صفحات کی
نثری تحریر میں مرزا گل محمد ناطق کے شاگرد جواہر سنگھ جوہر لکھنوی جوہر معظم کا
تعارف کراتے ہیں۔ اس نثر میں چھٹی صدی ہجری کی مشکل پسندی کا سا
انداز پایا جاتا ہے۔ کلام کے پہلے حصہ میں قصائد و مدائح ہیں۔ دوسرا حصہ
غزلیات ورباعیات پر مشتمل ہے۔ آخر میں ناطق مکرانی کے مکتوبات ہیں۔

ناطق مکرانی کے قصائد دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے جیسے وہ فرخی کی
پیروی کر رہے ہیں۔ مگر بات نہیں بنتی البتہ قصیدہ میں قدما کے مسلک کا پورا
خیال رکھا گیا ہے تشبیب، گریز، مدح، تقاضا اور دعا سب شامل ہیں۔ اولین
قصیدہ میں نظیری کی سی باریک بینی موجود ہے۔ سبک ہندی کارفرما ہے۔ ملا
حظہ ہو مدحیہ میں کہتے ہیں۔

تا قیامت متصل داد گرباری وهد
یکره از بحر کف جود تو گر خیز د سحاب

واجد علی شاہ کے حضور میں قصیدہ کا پہلا حصہ یعنی تشبیب قابل تعریف
ہے ناطق کہتے ہیں۔

زمانہ بسکہ ز نوروز عشر تستان ست
الم شگفتہ و اندوہ نیز خندان ست
بہ تیغ سبزہ مسخر نمود ردی زمین
کنون سراسر آفاق از بہاران ست

نواب امین الدولہ کے قصیدہ میں تقاضا نہایت خوب ہے۔ کہتے ہیں۔

گر چنین تربیت اہل سخن خواہی کرد
لکھنو غیرت شیراز و صفاہان گردد

حسین آباد کی مدح میں یوں رقمطراز ہوتے ہیں۔

بہر کجا بود نامرادی اندردھر
بآن خجستہ حرم چون رسد رسد بہ مراد

راجہ جولا پرشاد کے قصیدہ میں لکھنو کے سفر کا اشارہ ملتا ہے اور اس میں تقاضا بھی شامل ہے۔

لکھنو جنت است ہان مپسند
کہ برین بیگناہ سقر گردد
آنچنان کن کہ دریم کرمت
غرق از پای تا بسر گردد

ایک غزل کے مقطع میں ہندوستان کو ہجرت کا اظہار موجود ہے کہتے ہیں۔

صبا از جانب ناطق سلامی خاک مکران را
کہ من چون غنچہ دل در گلشن ہندوستان بستم

حسین باد کی مدح میں ناطق مکرانی کی شاعرانہ تعلیٰ دیکھئے

درین زمانہ من آن شاعرم کہ نتوان یافت
نظیر من بہ سخن در قلمرو ایجاد

ایک غزل کے مقطع میں ناطق کی قلندرانہ گفتار ملاحظہ ہو

بیا بہ مملکت ہمت بہ بین ناطق
کہ من تو نگر و این منعمان فقیر من اند

محمد علی شاہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے ناطق انکساری اور ریاسیت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

نیستم شاعر و ہاں شعر نمیدانم چیست
گوبرین زار زند قہقہہ سلمان وکمال
نہ رفیقی کہ کند پاک سر شکم از چشم
نہ شفیقی کہ فشاند ز دلم گرد ملال
عاجزی مثل من اکنون نتوان یافت بدھر

گر بہ بیز ند جہان راھمگی در غربال

اسی طرح ایک غزل کے مقطع میں اس کی انکساری دیدنی ہے۔ انداز بھی نرالا ہے اور خیال میں جدت نظر آتی ہے۔

گذاشتم روش سر کشی کنون ناطق
بہ خاکساری من خاک افتخار کند

واجد علی شاہ کی مدح میں بہار یہ اشعار خوب کہے ہیں۔ منظر نگاری بھی قابل تعریف ہے۔

بیا بدشت کہ چو شید لالہ و سنبل
خوش است سیر گلستان بی در و دیوار
نمودہ اند بہم اتفاق سبزہ و گل
بدلربائی مردم چو خط و عارض یار
چو موسمیست کہ آ شفتگی بدام برد
ز وضع طرہ دستار شیخ زلف نگار

سلطان العلماء کی صفت میں قصیدہ گو ہوتے ہوئے گریز کا انداز اور رنگ تغزل بیک وقت قابل توجہ ہے۔

گفتم کہ ای امید کجا میروی چنین

گفتا بدرگہی کہ بود کام را مدار
گفتم کہ جز تو نیز بدان در رود کسی
گفتا کہ جوق جوق خلایق زھر دیار
گفتم چہ می دھند بکس گفت کام دل
گفتم کہ چند گفت فزون از حدوشمار
گفتم کہ کیست صاحب آن بارگاہ گفت
یکتای کائنات خداوند روزگار

محمد علی شاہ کے قصیدہ میں غیرت اور مجبوری کا امتزاج دیکھئے

من کہ در کانسہ فغفور نخوردم از ننگ
می خور اند فکل سفلہ ام اکنون بہ سفال

مطالعہ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوچستان کا یہ گوھر شہوار ناطق مکرانی اپنے علاقے کے عوام اور امراء کی بے حسی اور کور ذوقی سے دل برداشتہ ہوکر لکھنو اور بنگال کے نوابوں کی خوشامد و مدح سرائی پر مجبور ہوا۔ لیکن لکھنو جیسے علم و ادب کے گہوارہ میں بھی اس کی خاطر خواہ پذیرائی نہ ہوئی یہاں تک کہ وطن واپس آ کر وہ دربارہ تنگدستی کا شکار ہوا جاتا ہے۔ اور نوبت فاقوں تک پہنچ جاتی ہے اگر اس عظیم فنکار کی اپنے وطن میں قدردانی ہوتی تو

بہت ممکن تھا کہ یہ اپنا قیمتی وقت اور گرانبہا فن شعر گوئی و سخنرانی محض مبالغہ آرائی اور خوشامدانہ مدح سرائی پر صرف نہ کرتا۔ محسوس ہوتا ہے کیا وقت بلوچستان کے عوام فاقہ مستی کا شکار تھے۔ جیسے کہ ناطق خود کہتے ہیں۔

نہ کتابی بہ بغل شان نہ قلم در کف شان
در بغل ھیز م و در دست تبری بینم
ہمہ آفاق بنو شند گلاب و قندست
مکریان راہ ھمہ از خون جگر می بینم

اور اپنے علاقے کے حکمران کی کیفیت حال وہ خود اپنے ایک مکتوب میں بیان کرتے ہیں۔'

'رب النوع این دیار کہ یکی از مضغہ ء گوشت بیش نیست میلی و شغفی جانب شعر و سخن ندارد''۔

گویا امراء حلا مست تھے ان حالات میں بھلا کیونکہ مکران میں علم و ادب کی سرپرستی ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ بلوچستان اپنے ایک عظیم فنکار کو چین و آرام اور عزت کی زندگی نہ دے سکا۔ نہایت افسوس کے ساتھ محسوس کیا جاتا ہے۔ اس عظیم سخن ران کا تمام کلام تلاش معاش کی فکر و سرگرانیکا مظہر ہے۔ محمد شاہ کے حضور اپنے قصیدہ میں کہتا ہے۔

طمع جاہ ندارم بہ جلال تو قسم
خواھم ازفکر معاشم بکنی فارغبال

ناطق فطرتاً ایک شاعر ہے یہی وجہ ہے کہ مذہبی تعصّبات سے بلند رہتا ہے۔ اس کا بہترین قصیدہ راجہ مان سنگھ کی مدح ہے اور اس کے بہترین مکتوبات منشی بہادر سنگھ کے نام ہیں۔ ناطق حقیقت پسند تھے۔ واعظوں اور ریاکاروں سے ان کی کبھی نہ بن آئی۔ حافظ شیرازی کی طرح غزل میں بھی زہاد سے نوک جھونک ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

آب شد ز آتش می تیغ زبانم یا رب
واعظ ھرزہ درا را بچہ خاموش کنم

ناطق مکرانی کی غزلیات میں سبک عراقی کا رنگ موجود ہے مگر اس کے باوجود کلام پر سبک ھندی ہی کا غلبہ ہے۔ نظیری اور مخفی کا سا انداز ملتا ہے۔ کہیں کہیں حافظ کی تاثیر بھی موجود ہے مگر اسلوب میں بے حد بعد ہے۔ اس ضمن میں غزلیات سے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں

برزدی برقع و فوارہ آتش گردید
از فروغ رخ تو دود کش خانہ ء ما
باد فارغ زغم تربیت یادھقان

آب از خویش خورد همچو گہر دانہ ء ما
سنگ در دامن کہسار نماند ست و ھنوز
چشم دیوانہ ما برکف طلفلان باشد

سوز وسر مستی کا عالم ملاحظہ ہو:

سوخت از گرمی دیدار کسی پیکر ما
بعد ازین چشم کلیم اللہ و خاکستر ما
ہمہ از مستی ما سر انالحق جوشد
خاک منصور ھما ناست گل ساغر ما

ناطق دنیا میں عیش ونشاط کی زندگی ھرگز طلب نہیں کرتے:

گر چو بلبل کلبۂ از خارو خس باشد مرا
کشتنی باشم اگر گلشن ھوس باشد مرا

ادائے محبوب سے نیم بسمل ہوجانے کی کیفیت ناقابل برداشت ہے:

تا بکی از سخت جانی نیم بسمل زیستن
میزنم زین باز برتیغی کہ بس باشد مرا

فطرت میں اسقدر درد ہے کہ جو بھی عاشق پر درد کے ساتھ ایک بار تعلق رکھتا ہے وہ محبوب کے عشق میں گرفتار ہوجاتا ہے:

ہر مرغ کہ پر زد بہ تمنای اسیری
اول بشگون کرد طواف قفس ما

ان کے ہاں عشق کا مقام عقل سے بہت آگے ہے۔ جب حضرت عشق کا درود ہوتا ہے۔ تو عقل وخرد کا خروج ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بیراھہ جہاندیم بمیدان فراست
عشق آمد و برتافت عنان فرس ما

ناطق کے عشق میں وہی جذبہ موجود ہے بلکہ اس کی شراب محبت کی تلچھٹ می ناب منصور کا جواب رکھتی ہے

ناطق آن نشہ کہ درصاف می منصور است
میتوان یافت ز درد تہ پیمانہ ما

ایذا کشی عاشق کا شیوہ ہوتا ہے۔ آتش عشق سے تعلق ہو تو راحت طلبی بے معنی ہے۔

ناطق مطلب صحبت راحت طلبان را
بگریز ز درد بسکہ دل زار من گرفت
ناخن زدم بداغ اگر بہ شدن گرفت

جب کوچہ محبوب کو کعبہ دل کا مقام حاصل ہو جاتا ہے تو وہی کعبہ

مقصود بن جاتا ہے۔

رفتم بسوی کعبہ زکوی بتان ولی
حسرت دویداز پی و دامان من گرفت

روز وصل عاشق غیور محبوب کے ساتھ رقیب کو دیکھ کر روز ہجر سے بڑھ کر پیچ وتاب کھاتا ہے۔

ہرگز ای یار نیائی بر من بی اغیار
روز وصل تو بتر از شب ہجران باشد

دنیا میں حسن بھی مظلوم ہے۔ ناطق اس سے آگاہ ہیں اور کس قدر خوب پیرایہ میں گویا ہوتے ہیں۔

گہ بچہ گاہ بزندان فگند یوسف را
حسن از حد چو گذشت آفت خوبان باشد

اس حقیقت سے کون آگاہ نہیں کہ آلائش دنیا سے جو آزاد ہوتا ہے وہی زلف محبوب کا اسیر ہوتا ہے۔ ناطق اسی بات کو کس قدر اچھے انداز میں بیان کرتے ہیں۔

زدم بہ انجمن دوست لاف آزادی
بطنز گفت کہ آزادگان اسیر من اند

میخانہ محبت میں ہی زندگی اور سکون حیات موجود ہے۔ اس سے باہر سکون اور حیات کی تلاش بے سود ہے:

بہ کنج صومعہ زاہد نشستہ پیر شدی
دمی بدیر نشین می کش و جوان برخیز
سزای تست کہ گشتی اسیر غم ناطق
کہ گفتہ بود ترا کز درمغان برخیز

عاشق بے صبر اور غیور ہوتا ہے اس عام کیفیت کو ناطق کے الفاظ میں سنیے:

ہم ناصبور لردہ مرا عشق و ھم غیور
ہم قاصدت فرستم و ھم قصد جان کنم

عاشق کے پیچ وتاب کی ایک اور کیفیت ملاحظہ ہو

خواب دیدم کہ خوارم آب حیات از دستش
تیغ می راند بہ حلقوم چو بیدار شدم

پاکیزہ قلب ونظر عشق کا خاصہ ہے۔ ہوس وعشق میں امتیاز دیکھیے

ای بوالہوس کہ دوختہ دیدہ بر رخش
غیرت بگیر از مژہ خون فشان من

خدا تعالیٰ کے مجبور ولاچار بندوں کی خدمت کرو۔ اسی میں جہانبانی کا راز مضمر ہے۔ ناطق کہتے ہیں:

سلطنت گر میل داری خاکساران را نواز
خدمت موری کن و خودرا سلیمانی بہ بین

اب آخر میں ناطق مکرانی کے چند بہترین اشعار سے منتخبات ملاحظہ کریں جو رمز وصاف گوئی بیباکی وخوش بیانی میں بے نظیر ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے خواجہ حافظ شیرازی کو روح اٹھارہویں صدی عیسوی میں ناطق کے جسد پر درد میں آ کر اپنا نغمہ شیراز الاپ رہی ہو۔

بر سر بام بیا گوشہ ابرو بنما
روزہ داران جہان منتظر ماہ تو اند
بانگی زدیم و سرانالحق شد آشکار
مارا ازین گیاہ ضعیف این گمان نبود
پیالہ برکف و محتسب ز دیر گذشت
"رسیدہ بود بلائی ولی بخیر گذشت"

اور دیکھئے کس نیچرل انداز میں وہ بات کہہ دی ہے جسے مشکل ہی سے شعر کا جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔

رفشک آیدم و گرنہ نقابت کشودمی
دست ترا گرفتہ بہ ناصح نمودمی

کتاب کے آخری حصہ میں مکتوبات ہیں۔ گومرزا غالب سے نہایت بے تکلفانہ تعلقات معلوم ہوتے ہیں۔ مگران کے نام ناطق کے مکتوبات پر تکلف انداز میں ہیں۔ سب سے دلچسپ اور بے تکلفانہ خطوط منشی بہادر سنگھ کے نام ہیں۔ واجہ علی شاہ سے بھی طویل خط وکتابت ہوتی ہے مگر اسکے مقام کا ہر وقت احساس رہتا ہے۔ احترام، تکلف وتصنع کا انداز آخر تک رہتا ہے۔ منشی بہادر سنگھ سے گہرے تعلقات معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انکے نام جو خطوط لکھے ہیں ان میں بے تکلفانہ انداز گفتگو صاف دکھائی دیتا ہے سیدھی سادی نثر ہے اور اپنے حال غم کا اظہا اس طرح ہورہا ہے جیسے راز داری سے بات ہورہی ہو۔ منشی بہادر سنگھ کے نام ایک مکتوب میں اپنی معاشی بدحالی کا رونا روتے ہیں اس طرح ''در گوشہ خمول نشستہ ام و خار حرمان در دل شکستہ، ہجوم قرض خواہان و تقاضای شدید ایشان نہ بمثابہ ایست کہ قدم بیرون خانہ تو انم گذاشت، دیروز دیگ و چمچہ و آفتابہ کہ باقیماندہ دولت لکھنو بود آنہم بفروش رفتند۔''

ڈاکٹر کوثر کتاب مذکورہ کے مقدمہ میں خوب کہتے ہیں کہ ''بیچارہ

فنکار مقہور و مغلوب ہے۔ مادہ پرست دنیا اس کے موتیوں کو خاک میں رولتی ہے۔ وہ بھوکا ہے ننگا ہے۔ محبوس ہے، مقید ہے اور رو رہا ہے۔ بے تحاشا رو رہا ہے..... لیکن آفرین ہے اس کے احساس عالیہ پر کہ فانوس خیال بجھنے نہیں دیتا۔ روتا ہے ہنستا ہے لیکن چلتا رہتا ہے۔ وہ صدیوں سے ایسا ہے۔ یہ مے نوش، یہ بلانوش، یہ رند، یہ عاشق، یہ فنکار اور منشی بہادر سنگھ کے نام ناطق کے مکتوب کا درج بالا اقتباس اس احساس کا بین ثبوت ہے۔

مرزا گل محمد ناطق اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں کے صدی کے آغاز میں مکران بلوچستان کے ایک مشہور قصبہ تُمپ (پنجگور) کے ایک ذی علم ملازئی خاندان میں پیدا ہوئے۔

گل محمد جنہوں نے بعد میں ناطق کا لقب اختیار کیا، ابتدائی تعلیم مقامی طور حاصل کی۔ ایک مدت تک سندھ کے امیر صوبیدار تالپور کے دربار سے وابستہ رہے، اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے ہندوستان گئے، جہاں وہ غالب جیسے سخن ور سے بھی متعارف ہوئے، اور وہاں ناطق کو اساتذہ کا مقام اور خوش فکر و خوش خرام شاعر کی شہرت عطا ہوئی، زبان و ادبیات فارسی پر اعلیٰ و لطیف دسترس کا مالک ناطق مکرانی ۱۸۴۸ء میں بے وطنی کی حالت میں لکھنو (ہندوستان) میں جہان فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے، افسوس انکا مکمل شعری مجموعہ کسی کے ہاتھ نہ آیا، البتہ کچھ اشعار اور بلوچی شاعری کا ایک مجموعہ اُن کے لکھنوئی شاگردوں نے ۱۸۹۰ء میں شائع کروایا۔

آں بلبلم کہ گر بہ چمن سر کند فغان
از ہر درخت آتشِ موسیٰ شود عیاں
آن گلشنم کہ بادز فیض شمیم او
بخشد بمردہ چوں نفس عیسوی رواں
آن شبنم کہ موئی کشاں آفتاب را
آرد فرود جذبہ اُش از چہارم آسماں
آں قطرہ ام کہ بالد اگر بر وجود خویش
ہر قطرہ اش نشاں دہد از بحرِ بیکراں
آں شاعرم کہ شہرت و شعرم جہاں گرفت
چوں صیت کام بخشی دستور شہ نشاں

ناطق مکرانی

BALOCHI ACADEMY